علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ
ماہ نامہ
ذوق شوق
کراچی
شوال المکرم/ذوالقعدۃ
اپریل 2025
2025
CECREAM
CYCLE

خوش خبری
ماہ نامہ ”ذوق وشوق“ جون 2025 میں عید الاضحی کی خوشی
کے ساتھ ساتھ آپ کے لیے لا رہا ہے......
ایک اور بڑی خوشی......
ماہ نامہ ”ذوق وشوق“ کا
”سالنامہ“
جس میں آپ کو ملیں گی......
دل چسپ کہانیاں
دل افروز واقعات
دل پذیر لطیفے
دل کش کھیل
دل نشین نظمیں
یہ خاص موقع ہاتھ سے جانے نہ دیجیے اور ابھی سے اپنی کاپی بک کروائیں!
اور ہاں، اس ”سال نامے“ کی کام یابی کے لیے دعا کرنا نہ بھولیے گا۔
(ادارہ)
zouqshouq@hotmail.com
ادارے کا واٹس ایپ اور رابطہ نمبر: 0300-2229899
zouqshouq / ذوق شوق
نگران ترسیل صاحب کا واٹس ایپ اور رابطہ نمبر: 0309-2228120

پیغامِ الٰہی جَلَّ جَلَالُہٗ

عبداللہ بن مسعود

(مفہوم آیت، از سورۂ اسراء:26)

''اور رشتے داروں کو اُن کا حق دیتے رہنا''

عزیز ساتھیو! اِس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے رشتے داروں کا خیال رکھنے کا پیغام دے رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں کہ تمھارے اوپر تمھارے رشتے داروں کا حق ہے۔ انسان کے کچھ قریبی رشتے دار ہوتے ہیں، جیسے: بھائی، بہن، چچا، تایا، خالہ، پھوپھو، ماموں وغیرہ، کچھ دور کے رشتے دار ہوتے ہیں، ان تمام رشتے داروں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اِس آیت کی روشنی میں دو باتیں یاد رکھیں:

1. ہر شخص پر اُس کے رشتے داروں اور عزیزوں کا بھی حق ہے۔
2. ہم اپنے رشتے داروں کا خیال رکھ کر اُن پر احسان نہیں کر رہے ہوتے، بل کہ یہ تو اُن کا حق اور ہماری ذمے داری ہے، جس کو ہم ادا کر رہے ہوتے ہیں۔

ہم درج ذیل طریقوں سے اپنی اپنی طاقت کے مطابق اپنے رشتے داروں کا خیال رکھ سکتے ہیں:

1. گھر کے کاموں میں کبھی اُن کی مدد کر دیں۔
2. گھر میں جو کھانا پکا ہو، کبھی تھوڑا اُن کے گھر بھجوا دیں۔
3. اُن سے پوچھتے رہیں کہ آپ کو کسی کام کی ضرورت ہو تو مجھے بتائیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے رشتے داروں سے محبت رکھنے والا اور اُن کا خیال رکھنے والا بنائے۔ آمین!

پیغامِ نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

اِشد علی نواب شاہی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ماہِ رمضان میں چار چیزوں پر خوب عمل کرو، (کیوں کہ) دو چیزوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے اور (بقیہ) دو چیزوں سے تم بے نیاز نہیں ہو سکتے، (انھیں کرنا ہی چاہیے)، رب کو راضی کرنے والی دو چیزیں یہ ہیں:

۱۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتے رہنا۔ ۲۔ استغفار کرتے رہنا۔

اور دُوسری دو چیزیں جن سے تم بے نیاز نہیں ہو سکتے، یہ ہیں:

۱۔ جنت کا سوال۔ ۲۔ جہنم سے پناہ مانگنا۔

(صحیح ابن خزیمہ، 1780، عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ)

عزیز ساتھیو! الحمدللہ! جب یہ ذوق وشوق شائع ہوگا تو رمضان المبارک کا مبارک مہینا ہوگا۔

اس مبارک مہینے میں چار کام کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم ارشاد فرمائی ہے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہتے رہیں۔

اور دُوسرا کام اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہیں کہ اے اللہ! ہمیں جنت الفردوس نصیب اور جہنم سے خلاصی عطا فرما۔

پہلی دو باتوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے اور دُوسری دو باتیں ہر مسلمان کی ضرورت ہیں کہ وہ جہنم سے بچ جائے اور جنت میں داخل ہو جائے، یہی بڑی کامیابی ہے، لہٰذا درج ذیل دعا مانگنے کا اہتمام کریں:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

زیرِ سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

شوال المکرم / ذوالقعدۃ ۱۴۴۶ ہجری | جلد: 20

شمارہ: 04
■ ناشر ~~~ محمد عارف رشید

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاحِ امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت عام شمارہ
180 روپے

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک
2500/=
بذریعہ عام ڈاک
2250/=

خط و کتابت کا پتا

ماہ نامہ ذوق و شوق، پی۔ او۔ بکس: 17984
گلشن اقبال، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75300
zouqshouq@hotmail.com
ذوق شوق/ zouqshouq

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

0300-2229899 - 0309-2228120
دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00 دوپہر 2:30 تا 6:00

JazzCash 0319-1181693
(نوٹ: جازکیش / ایزی پیسہ اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0309-2228120) پر واٹس ایپ کردیں۔)

جھلکیاں

سالانہ خریداری بذریعہ میزان بینک اکاؤنٹ:

اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm Charitable Trust (Zouq-o-Shouq)
اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456، سولجر بازار برانچ، کراچی
(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0300-2229899) پر واٹس ایپ کردیں۔)

پبلشر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیمی و تربیتی ترقی و اصلاح کی خاطر ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

عزیز دوستو! کیسے پیارے اللہ تعالیٰ ہیں نا ہمارے! ہر سال ہمیں عید کی خوشیاں عطا فرماتے ہیں۔ ہم خوشی خوشی صبح سویرے اٹھتے ہیں۔ فجر کی نماز کے بعد نہانے دھونے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ اپنے اپنے صاف ستھرے کپڑے، خوب صورت ٹوپی اور سینڈل، جوتے وغیرہ نکالتے ہیں۔ نہا دھو کر کپڑے پہن کر تیار ہوتے ہیں اور اَبو اور بڑے بھائی کے ساتھ عید گاہ کا رُخ کرتے ہیں۔ نمازِ عید کے بعد ملنے جلنے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ گھر میں مہمانوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ ہر طرف عید مبارک کی صدائیں ہیں۔ چہرے خوشی سے دمک رہے ہیں۔ امی کے ہاتھ کی سویاں اور شیر خُرمہ عید کی مسرت کو دوبالا کر دیتا ہے۔ یوں کھاتے پیتے اور کھلاتے پلاتے عید کا پہلا دِن تمام ہوجاتا ہے، لیکن ابھی دو دِن اور بھی تو ہیں۔

عید کا دُوسرا اور تیسرا دِن بھی یوں ہی خوشیوں کے ساتھ طلوع ہوتا ہے۔ نمازِ فجر اور ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوکر گھومنے پھرنے کا آغاز ہوجاتا ہے اب دادو، نانو کے گھر، خالو، چاچو کے گھر اور دِیگر رِشتے داروں کے ہاں جانے کی باری ہے۔ دعوتیں بھی تو اُڑانی ہوتی ہیں نا! اور کھیل کود بھی۔ دوسری، تیسری عید اِسی کی نذر ہوجاتی ہے۔ صبح نانو کے گھر جا رہے ہوتے ہیں تو شام چاچو کے گھر۔ کسی وقت پارک میں گھومنے نکل جاتے ہیں تو دُوسرے وقت کھیل کے میدان میں پہنچے ہوتے ہیں۔ یوں ہی ملتے جلتے، گھومتے پھرتے، دعوتیں اڑاتے اور اِسی چہل پہل میں عید کے دن رخصت ہوجاتے ہیں اور اپنی خوشیوں کا اثر دِل پر چھوڑ جاتے ہیں۔

پیارے ساتھیو! ذرا سوچیے کہ یہ عید لاتا کون ہے؟ کس کے حکم سے ماہِ عید کا چاند آسمان پر نمودار ہوتا ہے؟ یقیناً آپ کا جواب یہی ہوگا نا کہ ہمارے اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی سے عید کا چاند نظر آتا ہے اور یہ خوشیوں کی بہاریں لاتا ہے۔ تو اَب ہمیں بھی تو اپنے اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا چاہیے نا!

اللہ تعالیٰ کیسے خوش ہوتے ہیں؟ نمازیں پابندی سے پڑھنے سے، امی، ابو کی بات ماننے سے، اپنے بہن بھائیوں کا خیال رکھنے سے سارے اچھے کام کرنے سے اور جھوٹ اور سارے بُرے کاموں سے بچنے سے۔

کیا خیال ہے، کریں گے نا اپنے اللہ تعالیٰ کو خوش! چلیے، اب آپ اپنی عید منائیے۔ ہم رخصت ہوتے ہیں۔

والسلام

سیرت کہانی ۷۰

عبدالعزیز

اے اللہ! اپنے پیغمبر کو ہماری خبر پہنچا دے۔

صفر کے مہینے میں عضل اور قارہ قبیلے کے کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا:

''ہمارے قبیلے نے اسلام قبول کرلیا ہے، آپ ہمارے ساتھ چند ایسے لوگوں کو بھیج دیجیے جو ہمیں قرآن پڑھائیں اور دین سکھائیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھیج دیے، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ

۶۔ حضرت خالد بن ابی بکیر رضی اللہ عنہ

۷۔ حضرت معتب بن عبید رضی اللہ عنہ

یہ لوگ جب رجیع نام کی جگہ پر پہنچے، جو مکہ اور عسفان کے درمیان ہے، انھیں ساتھ لے جانے والے کافروں نے انھیں دھوکا دیا اور بنولحیان کو اِشارہ کردیا۔ بنولحیان کے 200 آدمی، جن میں سے 100 تیر انداز تھے، ان مسلمانوں کو شہید کرنے کے لیے ان کے پیچھے آئے۔ جب ان کے قریب پہنچے تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔

بنولحیان نے ان سے کہا:

تم نیچے آجاؤ، ہم تمھیں پناہ دے دیں گے۔''

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں کسی کافر کی پناہ نہیں چاہتا'' اور یہ دعا مانگی:

''اے اللہ! اپنے پیغمبر کو ہماری خبر پہنچا دے۔''

(الصحیح بخاری۔4086)

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اس وقت یہ دعا بھی مانگی:

''اے اللہ! آج میں تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں، تُو میرے جسم کی کافروں سے حفاظت فرما۔''

اس کے بعد حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور اُن کے چھے ساتھی کافروں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن طارق، حضرت زید بن دثنہ اور حضرت خبیب بن عدی رضوان اللہ علیہم اجمعین مشرکوں کے وعدے کے مطابق ان کی پناہ لینے کے لیے ٹیلے سے نیچے اتر آئے۔ مشرکین نے ان کے ہاتھ باندھنا شروع کیے۔

حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ دھوکا ہے، تم پناہ کی ابتدا دھوکے سے کر رہے ہو، نہ معلوم آگے کیا کروگے۔''

یہ کہہ کر ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔

مشرکوں نے کھینچ کر انھیں شہید کر ڈالا۔

باقی دو صحابہ کرام، حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو لے کر یہ لوگ مکہ چلے گئے اور مکہ پہنچ کر اُنھیں بیچ دیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے اپنے باپ کے بدلے میں قتل کرنے کے لیے خریدا، جو جنگ بدر میں قتل ہوا تھا اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث کے بیٹوں نے اپنے باپ کے بدلے میں قتل کرنے کے لیے خریدا کہ ان کا باپ حارث بن عامر بھی جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔

(فتح الباری، 7، ص: 292)

صفوان بن امیہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنے غلام نسطاس کے ساتھ بیت اللہ کے باہر تنعیم میں قتل کرنے کے لیے بھیج دیا، یہ دیکھنے کے لیے قریش کے لوگ جمع ہو گئے، جن میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا۔

ابوسفیان بن حرب نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''اے زید! میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم اسے پسند کرو گے کہ تمھیں چھوڑ دیا جائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھارے بدلے میں قتل کر دیا جائے اور تم اپنے گھر میں آرام سے رہو؟''

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیر میں کوئی کانٹا یا پھانس چبھے اور میں اپنے گھر میں بیٹھا رہوں۔''

ابوسفیان بن حرب نے کہا:

''اللہ کی قسم! میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے ہیں۔''

اس گفتگو کے بعد نسطاس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

(سیرت ابن ہشام، ج: 2، ص: 121)

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے صفوان بن امیہ کے یہ غلام نسطاس آگے چل کر مسلمان ہو گئے تھے۔

(الاصابہ، ج: 3، ص: 553)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ماہ حرام تک ان کی قید میں رہے۔ جب ان لوگوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو حارث بن عامر کی بیٹی زینب سے انھوں نے صفائی کے لیے استرا مانگا، زینب استرا دے کر اپنے کام میں لگ گئیں۔

وہ کہتی ہیں:

''تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ میرا بچہ (حضرت) خبیب (رضی اللہ عنہ) کی گود میں بیٹھا ہوا ہے اور اُن کے ہاتھ میں استرا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر میں گھبرا گئی۔ (حضرت) خبیب (رضی اللہ عنہ) نے مجھے دیکھ کر یہ فرمایا:

'کیا تمھیں یہ لگ رہا ہے کہ میں اس بچے کو قتل کر دوں گا، بالکل بھی نہیں، ان شاءاللہ! مجھ سے ایسا کام کبھی نہیں ہوگا، ہم لوگ دھوکا نہیں دیتے۔''

زینب بار بار یہ کہتی تھیں:

''میں نے کوئی قیدی خبیب سے بہتر نہیں دیکھا، میں نے (قید کے دوران میں) خبیب کو اَنگور کھاتے ہوئے دیکھا، حالاں کہ اس وقت مکہ میں کہیں اس پھل کا نام و نشان نہ تھا اور وہ خود بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے، لہٰذا یہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ کہیں جا کر لے آئے ہوں، یہ رزق ان کے پاس اللہ کی طرف سے آتا تھا۔''

زینب بھی بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ (رضی اللہ عنہا)

جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے بیت اللہ کے باہر تنعیم میں لے گئے تو اُنھوں نے فرمایا کہ مجھے دو رکعت نماز

پڑھ لینے دو، لوگوں نے اجازت دے دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز اَدا فرمائی اور مشرکوں سے کہا:

''میں نے اس خیال سے نماز کو لمبا نہیں کیا کہ تم یہ نہ سوچو کہ میں موت سے ڈر کر ایسا کر رہا ہوں۔''

اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی:

''اے اللہ! انھیں ایک ایک کر کے مار، کسی کو بھی باقی نہ چھوڑ۔''

پھر چند اَشعار پڑھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

''جب میں مسلمان ہوں اور صرف اللہ کے لیے میرا دنیا سے بچھڑنا ہو رہا ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں کہ میں چاہے کسی طرح بھی مارا جاؤں۔

اور چوں کہ میرا مرنا محض اللہ کے لیے ہے، لہٰذا اگر وہ چاہے تو میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئے اعضا پر برکت نازل فرما سکتا ہے۔''

اس کے بعد حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو پھانسی پر لٹکا کر شہید کر دیا گیا۔

کفارِ مکہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو پھانسی پر لٹکا ہوا چھوڑ دِیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہما کو اُن کی لاش اتار کر لانے کے لیے مدینے سے مکہ روانہ فرمایا۔ جب یہ دونوں حضرات رات میں تنعیم پہنچے تو دیکھا کہ چالیس آدمی لاش کا پہرا دینے کے لیے اس کے اردگرد موجود ہیں، لیکن اس وقت سوئے ہوئے ہیں۔ حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں کو غافل پا کر لاش کو پھانسی سے اتار کر گھوڑے پر رکھا۔ لاش اسی طرح تر و تازہ تھی اور اُس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، حالاں کہ انھیں پھانسی پر لٹکے ہوئے چالیس دن گزر چکے تھے۔

مشرکوں کی جب آنکھ کھلی اور دیکھا کہ لاش گم ہے تو ہر طرف تلاش میں دوڑے، بالآخر حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہما کو جا پکڑا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے لاش کو اُتار کر زمین پر رکھا تو فوراً ہی زمین پھٹی اور لاش کو نگل گئی، اسی وجہ سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بلیع الارض کے نام سے مشہور ہیں۔

(البدایه و النهایه، ج: 4، ص: 67)

ادھر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے چوں کہ کافروں سے اپنے جسم کی حفاظت کے لیے دعا مانگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش لینے کے لیے آنے والے دشمنوں سے حفاظت کا یہ انتظام فرمایا کہ بھڑوں کا ایک لشکر بھیج دیا، جس نے ہر طرف سے ان کی لاش کو گھیر لیا، کوئی کافر اُن کے قریب بھی نہ جا سکا۔ اس وقت وہ لوگ یہ کہہ کر چلے گئے کہ جب رات کے وقت یہ بھڑیں نہیں ہوں گی تب آ کر سَر کاٹ لیں گے، مگر رات ہوئی تو ایک سیلاب آیا اور اُن کی لاش کو بہا کر لے گیا۔

چوں کہ غزوہ احد میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ایک کافر عورت سلافہ بنت سعید کے دو بیٹوں کو قتل کیا تھا، اس لیے اس عورت نے یہ منت مانی تھی کہ عاصم کے سر میں شراب پیوں گی، اسی لیے قبیلہ ہزیل کے یہ لوگ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کے پاس ان کا سرا ُتار کر لے جانے کے لیے آئے تھے۔

حضرت عمر کے سامنے جب کبھی حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا تذکرہ آتا تو یہ فرماتے:

''اللہ تعالیٰ بعض مرتبہ اپنے خاص بندے کی مرنے کے بعد بھی حفاظت فرماتے ہیں، جیسے زندگی میں اس کی حفاظت فرماتے تھے۔''

(زرقانی، ج: 2، ص: 73)

اس قسط سے ہم نے کیا سیکھا؟

اس قسط میں واقعۂ رَجیع بیان کیا گیا ہے، جس سے ہمیں 10 سبق حاصل ہوئے:

1. اگر کوئی مسلمان کافروں کے نرغے میں آ جائے اور اُسے شہید کیا جا رہا ہو تو اُس وقت نماز پڑھنا سنت ہے، تا کہ زندگی کا آخری عمل سب سے افضل کام ہو۔

بقیہ: صفحہ نمبر 22 پر

شان نے زور سے بلا گھمایا۔ گیند آسمان کی طرف اڑنے لگی۔ سب لڑکے تیزی سے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے، تاکہ گیند پکڑ سکیں، مگر ایسا نہیں ہوا۔ شان کی زوردار ہٹ نے اس کی ٹیم کو مقابلہ جتوا دیا۔ ارحم نے شان کا خوشی سے چمکتا چہرہ دیکھا تو برداشت نہ کر سکا۔

”شکر کرو کہ بارش کی وجہ سے میدان میں ہر جگہ پانی کھڑا ہے۔ اس وجہ سے مقابلہ کرنے میں مشکل پیش آئی، ورنہ تمھاری کمزور ٹیم کو ہرانا کون سا مشکل کام ہے۔“ اس نے غرور سے کہا۔

کیوں کہ وہ اس علاقے کی سب سے اچھی اور بڑی ٹیم میں شامل تھا، اس کی مرضی اور پسند کے بغیر کوئی دوسرا لڑکا ٹیم میں شامل نہیں ہو سکتا تھا، کیوں کہ ٹیم کپتان علی حسن اس کا گہرا دوست تھا۔ شان نے مسکرا کر اُسے دیکھا، جو ہمیشہ اس سے مقابلہ بازی کرتا تھا۔ دونوں بچپن سے ساتھ اور ایک ہی محلے میں رہائش پذیر تھے۔ اسکول بھی ایک تھا، مگر دونوں میں بنتی نہیں تھی۔ وجہ ارحم کا رویہ اور حسد تھا۔

”میں نے یہ میچ کھیل جیتنے کے لیے دن رات محنت کی تھی، تاکہ اسکول کی ٹیم میں منتخب ہو سکوں۔ سر وقار صاحب بہت اصول پسند اور سخت استاد ہیں۔ انھیں ٹیم میں لڑکے بھی ایسے ہی چاہییں جو خوب مشق کریں اور صوبائی مقابلوں میں جیت سکیں۔“

اس نے یقین سے کہا۔ ارحم چونک گیا۔ وہ خود پچھلے کئی مہینوں سے اسکول ٹیم میں منتخب ہونے کے لیے دن رات محنت کر رہا تھا، سر وقار صاحب کو متاثر کرنے کے لیے ان کے آگے پیچھے رہتا۔ اسے یقین تھا کہ وہ ضرور منتخب ہو جائے گا۔

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 1000 ، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 750 ، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 500 روپے انعام دیا جائے گا۔ ”بلاعنوان“ کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 30 اپریل 2025 ہے۔
نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہ ہوگا۔

’’مقابلہ بہت سخت ہوگا۔تم یہ امید چھوڑ دو۔میرے ہوتے ہوئے تمھارا کام یاب ہونا ممکن نہیں ہے۔‘‘
ارحم نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ شان نے حیرانی سے اسے دیکھا، جسے خود پر بہت اعتماد تھا۔
’’نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔‘‘
شان نے اس سے مزید بحث نہیں کی اور سب کو سلام کر کے مسجد کی طرف چل پڑا۔ مغرب کی نماز پڑھ کر گھر پہنچا تو دادی جان تسبیح پڑھتے ہوئے اسی کی منتظر تھیں۔ اس نے سلام کر کے سر جھکایا۔ انھوں نے ماتھا چوم کر دُعا دی۔
’’لگتا ہے کہ آج تم جیت گئے ہو۔‘‘ وہ مسکرائیں تو اُس نے سر ہلایا اور جلدی سے ساری تفصیل سنائی۔
’’ارحم ہمیشہ مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ میں بھی اسے کام یاب نہیں ہونے دوں گا۔ پتا نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے۔‘‘
اس نے منہ بنا کر کہا۔
’’کوئی کچھ بھی کہے یا کرے، تم ہمیشہ حق اور سچ کے راستے پر چلنا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے جن کے دل صاف ہوں، اس لیے دوسروں کی منفی باتوں کو نظر اَنداز کر دیا کرو۔‘‘
انھوں نے نرمی سے سمجھایا تو اُس نے سر ہلا دیا۔ نویں جماعت کے شان کی عمر ایسی تھی کہ اسے ہر قدم پر راہ نمائی کی شدید ضرورت تھی۔ شان کے والد ملک سے باہر ملازمت کرتے تھے۔ گھر میں دادی جان، اس کی والدہ اور دو چھوٹے بہن بھائی رہتے تھے۔ شان سمجھ دار اَور نیک دل بچہ تھا، مگر کبھی کبھار وہ بھی دوسروں کو دیکھ کر منفی سوچنے لگتا، اس لیے دادی جان اس کی روزانہ کی سرگرمیوں پر گہری نگاہ رکھتیں، تاکہ جہاں وہ راہ سے بھٹکے تو وہ راہ نمائی کر سکیں۔
اگلے دن شان اسکول گیا تو سب بچوں میں عجیب سی بے چینی پھیلی ہوئی تھی، کیوں کہ کھیلوں کے مقابلوں کے لیے مختلف ٹیموں اور بچوں کے انتخاب کا مرحلہ شروع ہو چکا تھا۔ شان نے بھی اپنا نام کرکٹ ٹیم کے لیے لکھوا دیا۔ حتمی فیصلہ سر وقار صاحب کو کارکردگی دیکھنے کے بعد کرنا تھا۔ شان کو جب بھی فارغ وقت ملتا ہے وہ مشق کرتا رہتا۔ وہ اچھی ’’بیٹنگ‘‘ کرتا، مگر اُس کی کوشش تھی کہ ’’باؤلنگ‘‘ بھی بہتر کر سکے، تاکہ کسی ایک کی بنیاد پر وہ ٹیم میں منتخب ہو جائے۔ آج بھی خالی دورانیہ ملتے ہی وہ میدان میں کھیلنے لگا۔ جب کچھ دور بیٹھ کر گرم سموسے کھاتے ارحم نے اسے دیکھا تو قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔
’’چیونٹی چاہتی ہے کہ اس کے پر نکل آئیں، تاکہ وہ بھی اڑ سکے۔‘‘
اس نے مذاق اڑایا۔ شان نے نظر اَنداز کر دیا۔ ارحم اپنی جگہ سے اٹھا اور اُس کے پاس پہنچ کر بلّا چھین لیا۔
’’یہ کیا حرکت ہے؟‘‘ شان نے ناگواری سے اسے دیکھا، جو بلّے کو گھماتا ہوا اپنی مہارت ظاہر کر رہا تھا۔
’’میرے ساتھ کھیل کر دِکھاؤ، تب مانوں گا کہ تم کتنے بڑے کھلاڑی ہو۔‘‘
اس نے چیلنج کیا تو وہ بھی مان گیا۔ دونوں نے کھیل شروع کیا۔ کچھ اور ساتھی بھی شامل ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں ہی میدان ان کے شور سے گونجنے لگا۔ ارحم کو اپنی ہار قریب نظر آئی تو اُس نے غصے میں بلّا لہرایا جو شان کے سر پر لگا۔ خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ سب لڑکے گھبرا گئے۔ ارحم کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ جلدی سے اسے ابتدائی طبی امداد دِی گئی۔ شان کے ماتھے پر ٹانکے لگے۔ زیادہ خون بہنے کی وجہ سے اس کا سَر مسلسل چکرا رہا تھا۔ سب لڑکوں کے بیان کے مطابق ارحم نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا، اس لیے اسے سرزنش کر کے چھوڑ دیا گیا۔ کچھ دن کے بعد ٹیم کے لیے ارحم تو منتخب ہو گیا، مگر شان اپنی بیماری کی وجہ سے حصہ نہیں لے سکا، جس کا اسے بہت رنج تھا۔
’’اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ تمھارے نصیب میں ابھی یہ موقع نہیں تھا۔ ان شاءاللہ! اگلی دفعہ تم بھی اس ٹیم کا حصہ بنو گے۔‘‘
ہمیشہ کی طرح دادی جان کی تسلی نے اسے سکون دیا۔ مقابلے شروع ہوئے تو اَرحم بہت خوش تھا کہ شان میدان سے باہر ہے۔ وہ بہت لگن اور دِل سے کھیلنے لگا، مگر اُس کی پوری کوشش کے باوجود بھی وہ اچھی کارکردگی نہیں دکھا سکا۔ سر وقار صاحب بہت مایوس ہوئے کہ ارحم ان کی امیدوں پر پورا نہیں اترا۔ ان کی ٹیم بہت مشکل سے ’’سیمی فائنل‘‘ میں پہنچی۔ ٹیم کے لڑکے دن رات مشق کرنے لگے۔

اس مرتبہ ارحم بھی پوری کوشش کر رہا تھا، مگر ''سیمی فائنل'' سے ایک رات پہلے جب کھیلنے والی ٹیم کا اعلان ہوا تو اُرحم کا نام شامل نہیں تھا۔ اس کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ وہ سر وقار صاحب کے پاس گیا، مگر اُنھوں نے صاف منع کر دیا۔

''ہمارا جیتنا بہت ضروری ہے۔ تمھیں ٹیم سے نکالا نہیں ہے، سب سے آخر میں رکھا ہے، اگر ضرورت پڑی تو تمھیں موقع دے دیں گے۔''

انھوں نے سنجیدگی سے کہا۔ اگلے دن میدان میں لوگوں میں بیٹھے شان نے ارحم کو ایک طرف خاموشی سے سر جھکائے کھڑا دیکھا تو حیران رہ گیا۔

''کیا یہ ٹیم میں شامل نہیں!؟''

اس نے دیکھا کہ ٹیم میدان میں پہنچ چکی تھی، ارحم اداس نگاہوں سے انھیں دیکھ رہا تھا۔ تب ہی شان کے دوست نے ساری بات بتائی۔ شان چونک گیا۔ ایک لمحے کے لیے وہ خوش ہوا کہ اس کے ساتھ اچھا ہوا ہے، کیوں کہ ارحم کی وجہ سے وہ بھی ٹیم کا حصہ نہیں بن سکا، مگر پھر اُسے دادی جان کی باتیں یاد آئیں، جو ہمیشہ اچھائی کا دَرس دیتی تھیں تو وہ بے چین ہو گیا۔ سب بچے جیتنے والی ٹیم کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے، جو اَرحم کی ٹیم تھی۔

ارحم نے یہ منظر اُداسی سے دیکھا اور میدان سے باہر جانے لگا۔

''میری کمی کسی کو محسوس نہیں ہوئی۔ وہ میرے بغیر بھی جیت گئے ہیں۔ میری ساری محنت رائیگاں گئی۔''

اس نے راہ میں پڑے پتھر کو ٹھوکر ماری۔ تب ہی شان پھولی سانسوں کے ساتھ بھاگتا ہوا اُس کے پاس آیا۔ وہ چونک گیا۔

''مبارک ہو! تمھاری ٹیم جیت گئی ہے۔'' اس نے خوش دلی سے کہا۔

ارحم کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تمھیں مجھ سے بدلہ لینے کا اچھا موقع ملا ہے۔ میں تو نہیں شامل ہو سکتا، اس لیے تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔'' اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

''تم شامل ہوئے یا نہیں، ہو تو اِسی ٹیم کا حصہ۔ میری بھی بہت خواہش تھی کہ اس ٹیم کا حصہ بننے کی۔ تم خوش قسمت ہو کہ اس کا حصہ بن گئے۔ جہاں تک بات عملی شمولیت کی ہے تو کئی مواقع ملیں گے، ابھی تو ابتدا ہے۔''

شان نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کی دل جوئی کی۔ ارحم بہت حیران ہوا۔

''میں نے اس پہلو سے نہیں سوچا کہ آخر ہوں تو میں اس ٹیم کا رُکن ہی۔''

شان کے تسلی آمیز الفاظ نے اسے نئی ہمت اور روشنی دی۔ اس کا مایوس چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے گرم جوشی سے شان سے ہاتھ ملایا اور دونوں باتیں کرتے ہوئے واپس میدان کی طرف چل پڑے،

جہاں سب لڑکے اسے ہی ڈھونڈ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر بھاگ کر گلے لگ گئے۔ ارحم کو اِتنی اہمیت بہت اچھی لگی۔

''میں بھی کتنا بے وقوف تھا جو مایوس ہو کر یہاں سے جانے کا سوچ رہا تھا، اگر شان مجھے تسلی نہ دیتا تو میں اس خوشی سے محروم رہتا۔''

اس نے سب کے ساتھ فتح کا لطف اٹھاتے ہوئے سوچا۔ شام کو وہ سب واپس گھر آنے لگے تو اَرحم بھاگ کر شان کے پاس گیا اور اُس سے سر کے زخم کے بارے میں پوچھنے لگا۔

''تمھارا زخم اب بہتر ہے۔ کل سے ہم دونوں مل کر کھیلیں گے۔ ''تمھاری بیٹنگ اچھی ہے اور میری باؤلنگ۔ تم مجھے بیٹنگ سکھانا اور میں تمھیں باؤلنگ۔ ٹھیک ہے؟''

اس نے ہاتھ آگے بڑھایا، جسے شان نے جلدی سے تھام لیا۔ دونوں ہنستے مسکراتے ایک ساتھ گلی میں داخل ہوئے۔ ارحم اپنے گھر چلا گیا۔ شان مسکراتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہوا اور جلدی سے دادی کو سارا ماجرا سنایا۔ ساری بات سن کر وہ سنجیدگی سے گویا ہوئیں:

''اچھا، یہ تو بتاؤ! تم ارحم کی تکلیف اور پریشانی میں خوش ہونے کے بجائے افسردہ کیوں ہوئے؟ تم چاہتے تو اپنا بدلہ لے سکتے تھے؟''

شان نے نفی میں سر ہلایا۔

''آپ کی وجہ سے! آپ ہمیشہ اچھی اچھی باتیں بتاتی ہیں، تاکہ ہم کچھ نہ کچھ سیکھ سکیں۔

بس اسی لیے اسے تسلی دی تھی۔ اس کا نتیجہ تو آپ نے دیکھ ہی لیا۔'' اس نے کہا اور اُٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔

''اللہ تعالیٰ تمھیں نیکی کی راہ پر ہمیشہ کام یاب کرے۔ آمین!''

نم آنکھوں سے اپنے لگائے اخلاق کے پودے سے ہر طرف پھیلی خوش بُو کو محسوس کر کے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کر رہی تھیں۔

مختلف جگہوں سے ماہ نامہ ذوق و شوق رسالے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

نمبر شمار	نام	علاقہ	فون نمبر
1	مکتبہ حسنین	بالمقابل اسلامی کالج	0321-8566511
2	مکتبہ زید بن ثابت	گلشن اقبال بلاک 9	0309-2228086
3	مکتبہ بیت العلم	مین اردو بازار	0300-2063900
4	ناظم آباد دکان	البدر اسکول، ناظم آباد نمبر 4	0332-2320370
5	مکتبہ باب الاسلام	سندھ بلوچ سوسائٹی بلاک 12	0343-2245483
6	کتب خانہ مظہری	خانقہ جامعہ اشرف المدارس	0314-2248756
7	زوہیب اخبار اسٹال	مین حسن اسکوائر	0333-9224698
8	پرائم بک اسٹال	نارتھ ناظم آباد بلاک G	0310-4553089
9	طارق بک ٹاؤن	نارتھ ناظم آباد بلاک G	0321-36649425
10	مکتبہ حمادیہ	شاہ فیصل کالونی نمبر 2	0321-34571263
11	مکتبہ فاروقیہ	شاہ فیصل کالونی نمبر 4	0213-4571132
12	مکتبہ عمر فاروق	شاہ فیصل کالونی نمبر 4	0334-3432345
13	مکتبہ دار السلام	ڈیفنس فیز 2	0321-35892960
14	فضل ربی بک شاپ	دہلی کالونی	0330-2628100
15	عالم بک شاپ	دہلی کالونی	0310-2628091
16	تسلیم اخبار اسٹال	رنچھوڑ لائن	0308-2140193
17	مکتبہ معلمہ	بنوری ٹاؤن مسجد کے پاس	0321-34858530
18	مکتبہ اسلامیہ	بنوری ٹاؤن مسجد کے پاس	0333-2119714
19	ذوالفقار اخبار اسٹال	نیا گولی مار	0300-2379024
20	شریف اخبار اسٹال	دھوراجی	0313-2295337
21	اکیڈمی بک	طاہر ولا	0334-3912769
22	ورائٹی بک شاپ	ناظم آباد / حادی مارکیٹ	0321-3833416
23	مرحبا بک شاپ	واٹر پمپ	0303-2803544
24	سعید بک شاپ	واٹر پمپ	0213-6311400
25	ابرار نیوز پیپرز	نیپا چورنگی	0346-3273748
26	سلطانی نیوز پیپرز	مین موسمیات	0332-2237351
27	شاہ نور نیوز ایجنسی	طارق روڈ	0314-2393945
28	فرحان نیوز ایجنسی	جوہر چورنگی	0334-3913755
29	جمشید نیوز پیپرز	گلشن اقبال بلاک 11	0303-2810385
30	مکتبہ بیت العلم، لاہور	اردو بازار، لاہور	0306-0142297

قدیم ایجاد تیر کمان

ملک محمد احسن۔ راول پنڈی

تیر کمان ایک قدیم ایجاد ہے۔ ہزاروں سال پہلے جب انسان غاروں میں رہتا تھا تو اَپنا پیٹ بھرنے کے لیے کبھی درختوں سے پھل توڑ کر کھاتا تو کبھی کسی جانور کا شکار کرتا تھا۔ پھر کسی ذہین انسان نے جانوروں اور پرندوں کا شکار کرنے کی خاطر تیر کمان ایجاد کرلیا۔ یوں انسانوں کے لیے شکار کرنا آسان ہوگیا۔ اس کی مدد سے شکار کرنے کے علاوہ انسان اپنا دفاع بھی کرسکتا ہے۔ جب شیر، چیتے غار کے قریب آتے تو اِنسان انھیں تیر مار کر بھگا دیتے۔ اس طرح تیر کمان انسانی بستیوں کی حفاظت کا اہم ذریعہ بن گیا۔ تیر کمان چلانے کا فن ''تیر اَندازی (Archery)'' کہلاتا ہے۔ تیر چلانے والے کو ''تیر انداز'' کہتے ہیں۔

انسان نے پہلے پہل لکڑی کی مدد سے تیر کمان تیار کیے۔ رفتہ رفتہ تیر کی نوک پر دَھاتی نوکیلا ٹکڑا لگایا جانے لگا، تاکہ وہ زیادہ کارآمد ہتھیار بن جائے اور جنگ کرتے ہوئے تیر کمان بھی خوب کام آئے۔ یوں شکار میں کام دینے والا یہ آلہ اب اسلحہ بن گیا۔

بارھویں صدی میں بارود اِیجاد ہوا تو تلوار، تیر کمان اور تیر جیسے ہتھیاروں کی اہمیت کم ہونے لگی۔ جب بندوق اور توپ میدان جنگ میں استعمال ہوئے تو جنگوں میں تیر کمان کی ضرورت بہت کم ہوگئی، لیکن افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکا کے کئی قبائل بیسویں صدی تک شکار یا جنگ کرتے ہوئے تیر کمان استعمال کرتے رہے۔ آج بھی بعض افریقی قبائلی تیر کمان ہی سے شکار کرتے ہیں۔

اٹھارھویں صدی کے بعد تیر اَندازی نے کھیل کی شکل اختیار کرلی۔ اس کھیل کے مقابلے منعقد ہونے لگے، جن میں تیر اَنداز اپنے فن کا مظاہرہ کرتے۔ آنے والے وقت میں فٹ بال اور ہاکی وغیرہ مقبول کھیل بن گئے، تاہم تیر اَندازی کی اہمیت بھی برقرار رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جب 1900ء میں پیرس اولمپکس منعقد ہوئے تو اُس میں تیر اَندازی کے سات مقابلے کروائے گئے۔ اب ہر اُولمپکس میں تیر اَندازی کے مقابلے باقاعدگی سے منعقد ہوتے ہیں۔

افریقہ کے باشندوں نے سب سے پہلے تیر کمان کو بطورِ

ہتھیار اِستعمال کیا۔ ان سے عرب باشندوں نے تیر اَندازی کا فن سیکھا۔ جب صحرائے عرب میں اسلام کا نور پھیلا تو وہاں کے لوگ تیر کمان چلانے میں ماہر ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ مسلمانوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ تیر اَندازی سیکھو۔ وجہ یہ ہے کہ تیر اَندازی سے انسان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ چست اور ذہین انسان بن جاتا ہے۔

بھوٹان دنیا کا واحد ملک ہے جہاں تیر اَندازی قومی کھیل ہے۔ ملک میں ہر سال تیر اَندازی کے کئی مقابلے منعقد ہوتے ہیں۔

قدیم زمانے میں تیر لکڑی سے بنتا تھا۔ آج کل اسے لکڑی کے علاوہ فائبر، المونیم اور فائبر گلاس سے بھی بنایا جاتا ہے۔ تیر مختلف حجم کے ہوتے ہیں۔ برازیل کے قبائل ساڑھے آٹھ فٹ لمبا تیر بناتے تھے، مگر اکثر تیر بائیس سے تیس انچ لمبے ہوتے ہیں۔ تیر کے درج ذیل چار بنیادی حصے ہوتے ہیں۔

۱ پھل تیر:

یہ تیر کا لمبا اور دُبلا پتلا حصہ ہے، جس پر دِیگر حصے نصب ہوتے ہیں۔ پھل تیر مضبوط مادے سے بنتا ہے، تاکہ وہ ٹوٹ نہ جائے۔ وہ پھل تیر زیادہ مضبوط سمجھا جاتا ہے جو کم سے کم مُڑ سکے۔

۲ سر تیر:

یہ تیر کی نوک ہے۔ یہ عام طور پر تکونی شکل کی ہوتی ہے۔ سر تیر کو زیادہ سے زیادہ نوکیلا بنایا جاتا ہے، تاکہ تیر نشانے پر اچھی طرح پیوست ہو جائے۔ سر تیر کی کئی اقسام ہیں۔ کچھ بہت چھوٹی اور بعض بڑی ہوتی ہیں۔ ماضی میں سر تیر ہڈی، سینگ یا دھات سے بنتا تھا، اب اسے اسٹیل یا مضبوط لکڑی سے بنایا جاتا ہے۔

۳ سوفار:

تیر کے نچلے حصے میں بنا ہوا شگاف سوفار کہلاتا ہے۔ اس جگہ تیر کو کمان کی تانت (دھاگا) پر رکھنے کے لیے دندانہ بنا ہوتا ہے۔ سوفار کی مدد سے آدمی کو تیر چھوڑنے اور صحیح طرح چلانے میں مدد ملتی ہے۔

۴ پَر:

یہ پھل تیر کے آخری سرے پر لگائے جاتے ہیں۔ جب تیر ہوا میں پرواز کرتا ہے تو پَر ہی اسے متوازن رکھتے اور نشانے تک پہنچنے میں مدد دیتے ہیں۔ پہلے زمانے میں یہ پَر بطخ یا کسی اور پرندے کے ہوتے تھے، آج کل پلاسٹک سے بنتے ہیں۔

ماضی میں ایسے ماہر تیر اَنداز موجود تھے جو فی منٹ بیس تا پچیس تیر چھوڑ سکتے تھے۔ گویا وہ ہر دو تین سیکنڈ بعد ایک تیر چلانے کی مہارت رکھتے تھے۔

کمان:

تیر کو کمان کے ذریعے سے چلایا جاتا ہے۔ کمان کے دو حصے
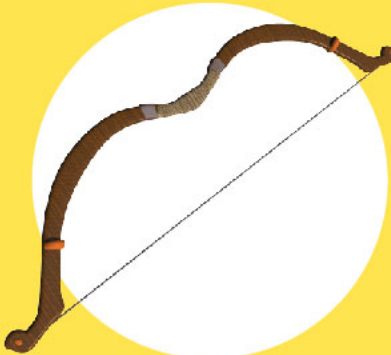
ہوتے ہیں، جنھیں بازو کہتے ہیں۔ ایک بالائی بازو کہلاتا ہے اور دُوسرا نچلا بازو۔ یہ دونوں بازو لچک دار لکڑی یا کسی دھاتی مادے سے بنتے ہیں۔ ان دونوں بازوؤں کے درمیان تانت یا تار باندھا جاتا ہے۔

ابھرے ہوئے حصے کے اوپر گرفت بنی ہوتی ہے۔ تیر اَنداز نشانہ باندھتے ہوئے اسی گرفت پر اپنے ہاتھ جماتا ہے۔ گرفت کے اوپر ''مقام تیر (Arrow rest)'' بنا ہوتا ہے۔ جب تیر کمان پر چڑھایا جائے تو اِسی مقام تیر پر رکھا جاتا ہے۔

تیر کے مانند کمان کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ بعض کمانیں چھوٹی

ہوتی ہیں اور کچھ بہت بڑی۔ سب سے بڑی کمان، لمبی کمان (Longbow) کہلاتی ہے۔ یہ کمان پانچ چھے فٹ لمبی، یعنی آدمی کے قد جتنی ہوتی تھی۔ آڑی کمان (Crossbow) بھی کمان کی مشہور قسم ہے۔ یہ کمان لکڑی یا فولاد سے بنے ڈنڈے پر رکھ کر بنائی جاتی ہے۔ زمانہ قدیم کی جنگوں میں آڑی کمان سے تیر کے علاوہ پتھر بھی پھینکے جاتے تھے۔

کمان کی تانت مختلف مادوں سے تیار کی جاتی رہی ہے۔ پہلے وہ پودوں کے ریشوں سے بنتی تھی۔ اب تانت مضبوط ریشوں والے دھاتی یا چوبی مادوں سے بنائی جاتی ہے۔

تیر کمان چلانے کا طریقہ:

تیر اَنداز سب سے پہلے تیر کا نچلا حصہ سوفار تانت کے درمیان رکھتا ہے، پھر وہ پوری قوت سے تانت کو پیچھے کی سمت کھینچتا ہے۔ تانت کو جتنا زیادہ پیچھے کھینچا جائے گا، تیر بھی اتنا ہی دور جائے گا، اسی لیے طاقت وَر لوگ تیر کو زیادہ دور تک پھینک سکتے ہیں۔

تانت کھینچ کر تیر اَنداز عموماً ایک آنکھ سے نشانہ لگاتا ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جس آنکھ کی نظر تیز ہو اُس سے نشانہ باندھنا چاہیے، تاہم بعض ماہرین کا خیال ہے کہ تیر اَندازی میں آنکھ سے زیادہ بازو کی طاقت اہم ہے۔ بہرحال، تیر کو ہدف تک پہنچانے میں آنکھ اور بازو ہی بنیادی کردار اَدا کرتے ہیں۔

تیر اَندازی ایک مشکل فن ہے اور اِسے درست طریقے سے سیکھتے ہوئے کئی ماہ لگ جاتے ہیں۔ شروع میں سکھایا جاتا ہے کہ تیر سے نشانہ باندھتے ہوئے کھڑے کیسے ہونا ہے۔ اگر تیر اَنداز دُرست انداز میں کھڑا نہ ہو تو اُس کا نشانہ خطا ہو جاتا ہے۔ عام طور پر کمان کی تانت اور تیر، تین انگلیوں سے تھامے جاتے ہیں۔

تیر اَندازی کے حفاظتی آلات:

قدیم زمانے میں تیر اَنداز ہاتھوں میں چمڑے کے دستانے پہنتے تھے، تاکہ تیر کی نوکوں اور تیز دھار والی تانت سے ہاتھ محفوظ رہیں۔ عرب اور اِیران کے لوگ انگلیوں میں فولادی چھلے ڈالتے تھے، تاکہ چھل نہ جائیں۔ جدید دور میں تیر اَندازی کا کھیل کھیلنے والے کھلاڑی بھی مختلف اقسام کے حفاظتی آلات اور لباس استعمال کرتے ہیں۔

تیر چلانے والے گھڑسوار:

پرانے زمانے میں گھڑسوار فوج جنگوں کا لازمی حصہ ہوا کرتے تھے، اسی لیے رفتہ رفتہ ایسے تیر اَنداز سامنے آ گئے جو گھڑسواری کرتے ہوئے تیر چلانے کا فن جانتے تھے۔ ان گھڑسوار تیر اَندازوں کی بہت قدر کی جاتی تھی۔ وہ اپنی زبردست تیر اَندازی سے کسی بھی جنگ کا پانسا پلٹ دیتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی کمانیں:

تاریخ کی کتب میں حضورِ اکرم ﷺ کی پانچ کمانوں کا ذِکر آیا ہے۔ تین کمانیں بنی قینقاع کے ہتھیاروں سے تھیں۔ ایک کمان کو الزوراء اور ایک کو الکتوم کہا جاتا تھا۔ ترکی کے توپ کاپی عجائب گھر میں نبی کریم ﷺ کے زیرِ استعمال رہنے والی ایک کمان محفوظ ہے۔

برطانیہ کے بادشاہ، ہنری ہشتم نے اپنے دورِ حکومت میں مردوں پر ایک انوکھی پابندی لگائی تھی۔ وہ یہ کہ تمام مرد فٹ بال وغیرہ نہ کھیلیں، بل کہ چرچ میں عبادت کرنے کے بعد تیر اَندازی کی مشق کیا کریں۔

تیر پھینکنے کا منفرد ریکارڈ:

9، دسمبر 2015ء کو اَمریکا کے تیر اَنداز، میٹ اسٹٹ زمان نے ایسی مہارت اور طاقت سے تیر چلایا کہ وہ 930 فٹ دور تک گیا اور دُرست نشانے پر لگا۔ یہ زیادہ دور تک درست نشانے پر تیر پھینکنے کا عالمی ریکارڈ ہے۔ خاص بات یہ کہ میٹ اسٹٹ زمان دونوں بازوؤں سے محروم ہے اور اُس نے پیروں سے تیر چلانے کی تربیت حاصل کی ہوئی ہے۔

انو منو کا دسترخوان

۳۲

انعم توصیف۔ کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

انو منو کے دسترخوان کے پیارے قارئین کیسے ہیں؟ پورا مہینا روزے رکھنے کے بعد اللہ پاک بطورِ انعام ہم سب کو عید کا تحفہ دیتے ہیں۔ اس تحفے کی ہمیں قدر کرنی چاہیے۔ اس دن اللہ تعالیٰ کا خوب شکر اَدا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں رمضان المبارک کا مہینا عافیت کے ساتھ عطا کیا اور ہمیں نیکیاں کمانے کا موقع دیا۔

یہ دن اللہ تعالیٰ نے ہمیں خوشی منانے کے لیے دیا ہے۔ خوشی کے موقعوں پر اِنسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اچھے اچھے کھانے کھائے، اپنے پاس موجود بہترین لباس پہنے، صاف ستھرا رہے، رشتے داروں کے گھر جائے یا پھر اُنھیں اپنے گھر بلائے۔ اپنے پیاروں کو تحفے تحائف دے، جس سے آپس میں پیار و محبت بڑھے۔

اس میٹھی عید پر اَنو منو آپ کے لیے رمضان کی طرح دو دو ترکیبیں لے کر آئی ہے، جو جھٹ پٹ تیار ہو جائیں گی اور آپ سب کو بہت پسند آئیں گی، ان شاء اللہ!

اجزا:

مرغی کا گوشت	آدھا کلو
آلو	دو عدد
ہرا دھنیا	ایک پیالی
کُٹی ہوئی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
پسا گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچ
پسا زِیرہ	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسبِ ضرورت
انڈے	دو عدد
کوئلہ	ایک چھوٹا ٹکڑا
تیل	حسبِ ضرورت
دودھ	آدھا لیٹر

چینی	چوتھائی کپ
الائچی	دوعدد
ڈبل روٹی کے سلائس	آٹھ عدد
کریم/ بالائی	آدھا کپ
پاؤڈر کا دودھ	آدھا کپ
کھویا	ایک چوتھائی کپ
بادام اور چاندی کے ورق	حسبِ ضرورت (سجاوٹ کے لیے)

ترکیب:

اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے ہی ہر کام بہترین ہوتا ہے تو ہم بھی اللہ تعالیٰ کے نام سے کام کا آغاز کرتے ہیں۔ ہاتھ دھو کر کام شروع کرنا ہوتا ہے، یہ بات تو اَب قارئین کو رَٹ چکی ہوگی، ہے نا! چلیے، اب جلدی سے مرغی کے گوشت کو دھو لیجیے۔ گوشت ہمیں بغیر ہڈی والا لینا ہے۔ گوشت کو دھو کر پتیلی میں ڈالیے۔ آلو بھی چھیل کر ٹکڑے کر کے اس میں شامل کر دیں۔ اب حسبِ ضرورت پانی ڈال کر اِن دونوں کو اُبلنے دیں۔ انھیں ابلنے میں تقریباً آدھا گھنٹا تو لگے گا، اتنی دیر میں آپ گھر کی صفائی کر سکتے ہیں، اپنے کپڑے استری کر سکتے ہیں۔

آپ مرغی کے یہ کباب جو بنا رہے ہیں وہ چاندرات کو بنا کر فریج میں رکھ سکتے ہیں۔ اس سے بہت آسانی ہو جائے گی، صبح اٹھ کر بس آپ کو اِنھیں تلنا ہوگا۔ اگر چاند رَات کو یہ بنائیں تو مرغی اور آلو کو چولھے پر چھوڑ کر، گھر کے دیگر کسی کام کی مشغولیت نہ ہو تو دو نفل پڑھ کر اللہ پاک سے دعائیں ضرور مانگیے۔ اگر گھر کے کام زیادہ ہوں تو پھر ذِکر کرتے رہیے۔ اس کے لیے تو بس زبان کو ہی ہلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذرا سی زبان ہلی اور ڈھیر سارا ثواب ہمارے نامہ اعمال میں شامل!

جب مرغی اور آلو اُبل جائیں تو مرغی کے گوشت کے باریک باریک ریشے کرلیں۔ آپ چاہیں تو چوپر مشین میں مرغی کے گوشت کو پیس کر قیمہ بھی کر سکتے ہیں۔ آلو کو بھی چھل کر بھرتا بنا دیں۔ آلو اور مرغی کے ریشے کو آپس میں ملا کر کے اس میں باریک کٹا ہرا دھنیا، پسا زیرہ، کُٹی لال مرچ، پسا گرم مسالا، نمک اور ایک عدد انڈا ڈال کر آمیزہ تیار کرلیں۔

اب کوئلہ لے کر اُسے چولھے پر رکھ دیں۔ جب کوئلہ سرخ ہو جائے تو جس پیالے میں آمیزہ ہو اُس میں چھوٹی سی کوئی اسٹیل کی کٹوری رکھ کر اُس پر کوئلہ رکھ دیں۔ کوئلے پر ذرا سا تیل ڈالیں اور جلدی سے پیالے کو کسی چیز سے ڈھانپ دیں، تاکہ کوئلے کا دھواں اچھی طرح آمیزے کے اندر بس جائے۔ چار سے پانچ منٹ بعد ڈھکن ہٹا دیں۔ اب آمیزے کے گول گول کباب بنا کر اُنھیں فریج میں رکھ دیں۔ جب آپ کو تلنے ہوں اس وقت فریج سے نکال کر اُنھیں انڈے میں ڈبکی دے کر گرما گرم تیل میں ڈال دیجیے۔ اب یہ طریقہ تو آپ کو یاد ہو ہی گیا ہوگا، تفصیل سے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ماشاءاللہ! اکتیس ماہ انومنو کے ساتھ گزار کر اِتنا تو بآسانی کر سکتے ہیں۔

چلیے، اب بناتے ہیں میٹھی عید کے لیے میٹھی ترکیب۔ سب سے پہلے ایک پتیلی لے کر اُس میں دودھ اُبالنے کے لیے رکھ دیں۔ جب دودھ اُبل جائے تو اُس میں چینی اور اِلائچی شامل کر دیں۔

میٹھی میٹھی ترکیب بنا رہے ہیں تو اِس دوران میں اللہ پاک کا میٹھا میٹھا ذِکر کرنا بھول مت جایئے گا۔ ترکیب ہم آزماتے ہیں، لیکن اس میں ذائقہ اللہ پاک ڈالتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کا ذِکر کر کے اسے خوش کرتے رہیں۔ ان شاءاللہ! اللہ تعالیٰ ہر ترکیب کا ذائقہ بہترین بنا دے گا۔

دس سے پندرہ منٹ دودھ کو پکا کر اُس میں سوکھا دودھ اور کھویا ڈال کر ہلکی آنچ پر مزید پکنے کے لیے رکھ دیں۔ اگر کھویا ملنا مشکل ہو تو آپ اس کے بغیر بھی یہ ترکیب آزما سکتے ہیں۔

اب ڈبل روٹی کے سلائس لے کر اُس کے کنارے کاٹ لیں۔ کناروں کو ضائع بالکل بھی نہیں کرنا، اس کا چُورا بنا لیں، جس کا طریقہ انو منو آپ کو پہلے بتا چکی ہے۔

چمچ کی مدد سے کریم یا بالائی جو بھی میسر ہو، اسے ڈبل روٹی کے سلائس پر لگائیں۔ تمام سلائس پر کریم لگا لیں، پھر اِن کے رول بنا لیں، اس طرح کہ وہ کھلے نہیں، اچھی طرح بند ہو جائیں۔ اس کام کے لیے گھر میں کسی بڑے کی مدد لے لیجیے۔ سارے رول بنا کر اُنھیں پیالے میں رکھ لیں۔ جب دودھ کا آمیزہ گاڑھا ہو جائے تو چمچ سے تھوڑا سا آمیزہ چکھ لیں، تا کہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ چینی کم تو نہیں۔ اگر چینی کم لگے تو آپ اپنے ذائقے کے حساب سے چینی ڈال کر پانچ منٹ کے لیے مزید پکا سکتے ہیں۔

اب چولھا بند کر کے آمیزے کو ٹھنڈا کر لیں۔ جب آمیزہ ٹھنڈا ہو جائے تو اُسے آرام اور اِطمینان سے "بریڈ رول" پر ڈالتے جائیں۔ اس طرح کہ رول اس آمیزے میں آدھے آدھے ڈوب جائیں۔

اب اس کے اوپر بادام کاٹ کر ڈالیں اور چاندی کے ورق لگا دیں۔ اب پیالے کو اُٹھا کر فریج میں رکھ دیں۔ جب اچھی طرح ٹھنڈا ہو جائے تب اسے کھائیں۔

یہ دونوں ترکیبیں آپ آزما کر عید کے دن اپنے دسترخوان پر رکھیے۔ مہمان یہ دونوں چیزیں کھا کر بہت خوش ہوں گے اور ہوسکتا ہے کہ دُگنی عیدی دے کر جائیں گے۔

ترکیب پسند آئے تو انو منو کو دُعا دینا مت بھولیے گا۔

انو منو کی جانب سے آپ سب کو

عید مبارک!

اللہ حافظ!

۱۱۰

یہ کون ہیں؟

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔

اگر آپ ان اشارات کے ذریعے درست جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اَپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۳۰ اپریل تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

❶ آپ اردو کے مایہ ناز مزاح نگار ہیں۔

❷ آپ یکم اکتوبر ۱۸۹۸ء پشاور میں پیدا ہوئے اور ۴، دسمبر ۱۹۵۹ء کو نیویارک میں آپ کا انتقال ہوا۔ ❸ آپ اپنے اصل نام کے بجائے اپنے قلمی نام سے مشہور ہیں۔

❹ آپ کو انگریزی، فارسی اور اُردو، تینوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔

❺ 2003ء میں حکومت پاکستان نے آپ کی ادبی اور ثقافتی، تعلیمی اور سفارتی خدمات کے صلے میں آپ کو ہلال امتیاز کے اعزاز سے نوازا۔

محمد ہانی رفیق۔ کراچی

عید کا دن ہے
پھر سے آیا عید کا دن ہے
خوشیاں لایا عید کا دن ہے
سب کو اس نے خوشیاں دی ہیں
تب کہلایا عید کا دن ہے
لاکھوں بار ہے شکر خدا کا
ہم نے پایا عید کا دن ہے
ایک عظیم عطا مالک کی
اک سرمایہ عید کا دن ہے
خاص کرم فرمایا رب نے
پھر دکھلایا عید کا دن ہے
ہر سو خوشیوں کے میلے ہیں
سب کو بھایا عید کا دن ہے
محمد ایوب اختر۔لیاقت پور
CECREA
CYCLE

☆ جولوگ کسی بڑے مقصد کو لے کر خلوص اور صداقت سے والہانہ کام کرتے ہیں اور اپنی جان تک کھپا دیتے ہیں، وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

☆ دوست بنانے سے پہلے اس کے ساتھ پانچ سیر نمک کھاؤ۔

☆ دوست وہ ہوسکتا ہے جس کے سامنے بات کرتے وقت ہم اپنا دِل کھول دیں۔

☆ سب سے زیادہ عاجز اور لاچار شخص وہ ہے جو دوست بنا نہ سکے اور اُس سے زیادہ بدنصیب وہ ہے جو دوست بنا کر چھوڑ دے۔

(سنینہ ساجد۔کراچی)

☆ کسی کام کو شروع کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ باتیں کرنا چھوڑ کر کام کرنا شروع کر دیں۔

☆ اکثر عظیم اور کام یاب لوگ اپنی بڑی ناکامی کے اگلے قدم پر عظیم کام یابی سمیٹ لیتے ہیں۔

☆ کام یابی ہر کوئی حاصل کرسکتا ہے۔دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں جو دُوسرا کرسکتا ہو اور ہم نہیں۔

☆ رات کو جلدی سونا اور صبح سویرے اٹھنا، یہ عادت انسان کو صحت مند، دولت منداور عقل مند بناتی ہے۔

(عبدالواسع۔کراچی)

☆ کم بولنا عقل مندی ہے۔

☆ تین چیزیں محبت بڑھانے کا ذریعہ ہیں:

۱۔سلام کرنا۔ ۲۔دوسروں کے لیے مجلس میں جگہ خالی کرنا۔ ۳۔مخاطب کو بہترین نام سے پکارنا۔

(ضحیٰ بنت شعیب۔رحیم یار خان)

☆ مصیبتوں کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کی جاتی ہے۔

☆ خامیوں کا احساس، کام یابیوں کی کنجی ہے۔

☆ بے اعتباری، محبت کو کھا جاتی ہے۔

☆ بیمار بادشاہ سے صحت مند مزدور بہتر ہے۔

☆ نفرت، دل کا پاگل پن ہے۔

(محمد شہباز۔سرگودھا)

☆ آدمی اپنے دوست کے دین اور اَخلاق پر ہوتا ہے، اس لیے ہر ایک کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

☆ قیامت کے دن مومن کے میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزن دار نیکی اچھے اخلاق ہوں گے۔

☆ دو چہروں کو اِنسان کو کبھی نہیں بھلا پاتا، ایک مشکل میں ساتھ رہنے والا، دوسرا ساتھ چھوڑنے والا۔

(نازیہ عرفان۔اسلام آباد)

☆ ہم اپنا خیال رکھیں، کیوں کہ ہمیں خود ہماری ضرورت ہیں۔

☆ صورت بغیر سیرت کے ایک ایسا پھول ہے، جس میں کانٹے بہت اور خوش بُو بالکل نہیں ہوتی۔

(سیف اللہ۔گلگت)

بکھرے موتی

قارئین

الطاف حسین۔ کراچی

سوال آدھا جواب آدھا

۶۶

اس کھیل میں چند جملے ہیں،
ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔
پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۰ اپریل تک ارسال کردیجیے، ہم آپ کو اِس کا انعام روانہ کردیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو اِنعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کرکے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

۱ قرآن مجید کی سورت ''سورۂ یوسف'' بارہ رکوع اور ایک سو گیارہ آیات پر مشتمل ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی...... قرآن کریم کی ایک اور سورت بھی بارہ رکوع اور ایک سو گیارہ آیات پر مشتمل ہے۔ اس سورت کا کیا نام ہے؟

۲ فارسی زبان کے مشہور شاعر شیخ مصلح الدین سعدی 1184ء میں ایران کے شہر شیراز میں پیدا ہوئے تھے...... آپ یہ بتائیے کہ فارسی زبان کے مشہور شاعر حافظ شمس الدین 1320ء میں ایران کے کس شہر میں پیدا ہوئے تھے؟

۳ اردو زبان کا پہلا ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کو تسلیم کیا جاتا ہے...... بتائیے اردو زبان کا پہلا جاسوسی ناول نگار کس صاحبِ قلم کو کہا جاتا ہے؟

۴ ایران میں مسلمان آبادی کا تناسب ننانوے فی صد ہے...... بتائیے بحرین میں مسلمان آبادی کا تناسب کتنے فی صد ہے؟

۵ سعودی عرب کی سرحدیں آٹھ ممالک (قطر، اردن، عراق، یمن، کویت، بحرین، اومان اور متحدہ عرب امارات) سے ملتی ہیں...... بتائیے سوڈان کی سرحدیں کن آٹھ ممالک سے ملتی ہیں؟

۶ پاکستان کی فضائی کمپنی کا نام ''پی۔ آئی۔ اے (پاکستان انٹرنیشنل ائیرلائنز)'' ہے...... بتائیے اردن کی فضائی کمپنی کا کیا نام ہے؟

۷ پہلی جنگِ عظیم کا آغاز 1914ء میں ہوا تھا...... بتائیے دوسری جنگِ عظیم کس سن میں شروع ہوئی تھی؟

۸ سیارہ زمین کا قطر 7926.21 میل ہے...... بتائیے سیارہ مریخ کا قطر کتنے میل ہے؟

۹ ''کان کھڑے کرنا'' اردو زبان کا ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے: ''ہوشیار ہوجانا/ چوکنا ہوجانا''...... بتائیے ''کان کھول دینا'' کا کیا مطلب ہے؟

پرانے زمانے کی بات ہے، کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا، وہ بادشاہ نہایت رحم دل اور خدا ترس تھا اور اپنی رعایا کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا۔ ساری رعایا اس سے بہت خوش تھی۔ ملک میں امن واَمان اور خوش حالی کا دور دَورہ تھا۔ بادشاہ تھوڑے تھوڑے دن کے وقفے سے اپنے محل میں ''دربارِ عام'' کا انتظام کرواتا۔ بادشاہ کا کہنا تھا کہ جسے بھی اس ملک میں کسی سے کوئی شکایت ہو، کسی کا کوئی مسئلہ ہو، کوئی فریاد کرنا چاہے، حتیٰ کہ کسی فقیر کو بھی اگر بادشاہ کے کسی عمل سے، کسی فیصلے سے تکلیف پہنچی ہو یا کوئی شکایت ہو تو وہ بلا جھجک سب کے سامنے کھل کر اِعتراض کرسکتا ہے۔ اس دربار عام میں پورے ملک سے لوگ شرکت کرتے۔

سبھی ایک زبان ہو کر یہی کہتے کہ ''بادشاہ سلامت! آپ کا اقبال مزید بلند ہو، آپ تو نہایت شفیق، رحم دل اور ہمارا خیال رکھنے والے ہیں۔ آپ کی حکومت میں ہمیں اناج، گھر اور روزگار، سب کچھ میسر ہے، ہمیں کوئی فکر، کوئی پریشانی نہیں۔ پیٹ بھر کھاتے ہیں اور سکون کی نیند سوتے ہیں۔ ہم سب تو خوش نصیب ہیں کہ آپ کی رعایا ہیں اور آپ ہمارے بادشاہ ہیں۔''

بادشاہ کی کوئی اولاد نہیں تھی اور اَب بادشاہ بوڑھا ہو رہا تھا۔ اسے اپنی رعایا سے بہت محبت تھی۔ بادشاہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کا وزیر ایک لالچی انسان ہے۔ وہ بادشاہ کی بہت چاپلوسی کرتا۔ جھوٹی جھوٹی تعریفیں کرتا۔ وزیر کی خواہش تھی کہ بادشاہ اپنا جاں نشین وزیر کے بیٹے کو بنالے، تاکہ دونوں باپ بیٹے مل کر مزے سے حکومت کریں۔ وزیر فطرتاً ظالم اور مغرور بھی تھا۔ بادشاہ کو اِس بات کا علم تھا، اسے یہی فکر تھی کہ اس کا جاں نشین کوئی، ایمان دار، سچا اور بہادر اِنسان بنے، تاکہ بادشاہ کی موت کے بعد بھی رعایا پر کوئی ظلم، کوئی زیادتی نہ ہو۔

بادشاہ جان بُوجھ کر کبھی اناج کی قیمتیں بڑھا دیتا تو کبھی غریب

لکڑ ہاروں کو جنگل کی لکڑیاں نہ کاٹنے کا حکم دیتا، جس سے لکڑ ہارے بے چارے پریشان ہوجاتے۔ کبھی عام رعایا میں سے کسی کو بھی راتوں کو جاگ کر سرحدوں کی حفاظت کا حکم دے دیتا۔

یعنی کہ رعایا کو آہستہ آہستہ تنگ کررہا تھا اور غریب رعایا کی زندگی جان بوجھ کر مشکل میں ڈال رہا تھا۔ اس کے باوجود لوگ مطمئن اور خوش نظر آتے۔

ایک دن بادشاہ نے ہمیشہ کی طرح دربار لگایا اور لوگوں سے وہی سوال کیا، جو ہمیشہ کرتا تھا۔ سب نے وہی جواب دیا، جو ہمیشہ ایک آواز ہو کر جواب دیتے تھے کہ ایک دبلا پتلا سا سولہ، سترہ سال کا لڑکا اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

''بادشاہ سلامت! مجھے آپ سے شکایت ہے اور میں آپ کی بادشاہت میں خوش نہیں۔ آپ کے دورِ حکومت میں ہم غریبوں پر بے جا پابندیاں لگائی جا رہی ہیں، ہمیں لکڑیاں کاٹنے سے منع کیا جاتا ہے، اناج مہنگا ہوگیا ہے، آپ کے دور میں کسان خوش حال نہیں، یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں، لیکن میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ ہمیں انصاف چاہیے۔''

اس کی بات پر وہاں پر موجود سب لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ سب لوگ دم بخود اِس چھوٹے سے لڑکے کی جرأت پر حیران پریشان تھے کہ اس نے اتنے بھرے مجموعے میں ایسی بات کہہ کر براہِ راست بادشاہ کو نشانہ بنایا ہے۔ سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

''اے گستاخ لڑکے! محض دو فٹ کا ہو کر تمھاری ہمت کیسے ہوئی؟ ہمارے حاکمِ وقت اور اِتنے رحم دل بادشاہ کی شان میں گستاخی کرنے کی۔

چھوٹا منہ اور بڑی بات! جہاں پناہ! آپ حکم کریں، ابھی اس لڑکے کو اِس کی گستاخی کی سزا سنادی جائے؟'' وزیر نے جگہ سے اٹھ کر پہلے لڑکے کو شعلہ بار نظروں سے دیکھا، پھر پلٹ کر بادشاہ سے عاجزانہ انداز میں ہاتھ باندھ کر درخواست کی۔

لیکن بادشاہ کے چہرے کی طرف دیکھ کر وہ حیران رہ گیا، کیوں کہ بادشاہ کے چہرے پر کوئی غصہ نہیں تھا، بل کہ ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

بادشاہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ سب لوگ تھر تھر کانپنے لگے کہ اب لڑکے کی خیر نہیں۔ کسی کا خیال تھا کہ بادشاہ اسے یقیناً سرِ عام کوڑوں کی سزا سنائے گا۔ کوئی کہہ رہا تھا: ''لڑکے کو آدم خور جانوروں کے جنگل میں چھوڑ دیا جائے گا۔''

کسی کے خیال میں لڑکے کو قیدِ تنہائی کی سزا دی جائے گی۔

کچھ بوڑھے لڑکے پر ترس کھا رہے تھے: بے چارہ غریب لکڑ ہارے کا اکلوتا بیٹا اور واحد سہارا تھا، اب یقیناً اپنی جان سے جانے والا ہے۔''

لوگ دم سادھے اور آنکھیں پھاڑے کسی سخت حکم کے انتظار میں تھے۔

لیکن وہ لڑکا بِلا خوف و خطر، بڑی متانت سے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کھڑا تھا۔ اتنا پُر اعتماد اور مطمئن، جیسے اسے اپنی جان کی کوئی پروا نہ ہو۔

''اے لڑکے! تمھاری اتنی ہمت؟ تمھیں اپنی زندگی عزیز نہیں؟''

بادشاہ نے سخت لہجے میں سوال کیا۔

''گستاخی معاف جہاں پناہ! لیکن میں دل میں کچھ اور زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ سب لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ بے شک آپ میرا سَر قلم کردیں، لیکن میں اس ملک کی غریب عوام سے محبت کرتا ہوں۔ ان کی بھلائی کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہوں۔''

لڑکے نے پُر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔

بادشاہ شاہانہ انداز میں چلتا ہوا لڑکے کے پاس پہنچا اور آگے بڑھ کر لڑکے کو اپنے سینے سے لگالیا۔ وزیر، سپاہیوں اور دَربار کے اعلیٰ عہدے داران کے ساتھ رعایا حیرت سے منہ کھولے اور آنکھیں پھاڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ کچھ لوگ سمجھے کہ بادشاہ ذہنی توازن کھو چکا ہے۔

لڑکا خود بھی بادشاہ کی اس غیر یقینی حرکت پر ششدر کھڑا تھا۔

''وزیرِ باتدبیر! اب ہمیں اپنے جاں نشین کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں رہی، ہمارا جاں نشین اب یہ لڑکا ہوگا۔''

بادشاہ نے مسکراتے ہوئے وزیر کو مخاطب کر کے کہا تو وزیر چکرا گیا، کیوں کہ وہ تو اپنے بیٹے کو بادشاہ کا جاں نشین بنانا چاہتا تھا۔ رعایا کی حالت بھی دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ ایک غریب اور گستاخ لڑکا کیسے جاں نشین بن سکتا ہے۔

''جہاں پناہ! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ آپ کا فیصلہ سر آنکھوں پر، لیکن یہ ایک غریب اور مفلس گھرانے کا لڑکا ہے۔ اس کی یہ مجال کہ اس نے پوری رعایا کے سامنے آپ کی شان میں گستاخی کی ہے، جب کہ پوری رعایا آپ کی شان میں قصیدے پڑھتی ہے، آپ کی مہربانیوں اور آپ کی عنایات پر آپ کی احسان مند ہے، اس لڑکے نے بدزبانی اور بدتمیزی کی ہے۔ یہ انعام کا نہیں، بل کہ سزا کا حق دار ہے۔ گستاخی معاف! پَر یہ اس قابل نہیں کہ آپ کے محل تک رسائی حاصل کرے، محل تک رسائی ہم جیسے خاندانی لوگ ہی کر سکتے ہیں۔''

''وزیرِ باتدبیر! ہمیں اپنی حکومت چلانے کے لیے آپ اور اِس رعایا جیسے بزدل اور خوشامدی انسانوں کی نہیں، بل کہ اس لڑکے جیسے، نڈر، بہادر اور سچے انسان کی ضرورت ہے، جو اپنی جان بچانے کے لیے جھوٹی تعریف نہیں کرتا، بل کہ اپنا حق حاصل کرنا چاہتا ہے۔

میں جان بوجھ کر کچھ دنوں سے رعایا کے لیے مشکلات پیدا کر رہا تھا کہ یہ لوگ مجھ سے اس زیادتی کی شکایات کریں، لیکن آپ سمیت یہ سب لوگ چاپلوس اور بزدل ہیں۔ جو اپنے حق کے لیے بھی آواز نہیں اٹھا سکتے وہ بھلا ایک ملک کا نظام کیسے چلا سکتے ہیں۔ آج کے بعد یہ لڑکا اور اِس کے ماں باپ شاہی محل میں رہیں گے۔''

بادشاہ کی بات ختم ہوئی تو لڑکا خوشی کے مارے دیوانہ ہو گیا۔ بے اختیار بادشاہ کے ہاتھ چوم کر عقیدت کا اظہار کیا۔

''شکریہ بادشاہ سلامت! میں آپ کے بھروسے پر پورا اُتروں گا، چاہے مجھے اپنی جان کی بازی کیوں نہ لگانی پڑے۔''

''ہاں، ہم جانتے ہیں۔ ہیرے کی قدر جوہری کو ہی ہوتی ہے اور تم وہی ہیرے ہو جس کی ہمیں تلاش تھی۔''

بادشاہ نے لڑکے کا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے پیار سے کہا۔

وزیر کی تو سٹی گم ہو گئی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بادشاہ سلامت یوں دودھ کی مکھی کی طرح اُسے اور اُس کے بیٹے کو نکال پھینکیں گے۔ رعایا خوشی سے کہنے لگی:

''سچ تو یہ ہے بادشاہ سلامت! ہم سب سچ کہنے سے ڈرتے تھے اور پریشان ہوتے ہوئے بھی آپ کے سامنے جھوٹ بولتے تھے، لیکن آج پوری سچائی اور ایمان داری سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ آپ واقعی بہترین سوچ سمجھ اور حکمتِ عملی رکھنے والے بادشاہ ہیں۔ ہم سب کو آپ پر فخر ہے۔''

بچو! اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہمیشہ اور ہر حالت میں سچ بولنا چاہیے اور اپنے جائز حق کے لیے ضرور آواز اُٹھانی چاہیے۔

بقیہ: سیرت کہانی (۷۰)

❷ حضرت عاصم اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کی لاشوں کی حفاظت اور حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کا قید میں حضرت مریم علیہا السلام کی طرح بے موسم کا پھل کھانا ان کی کرامت تھی، جس کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ اولیائے کرام کی کرامات حق ہیں۔

❸ جو مسلمان مرنے کے قریب ہو اُس کے لیے بال اور ناخن کاٹنا مستحب ہے۔

❹ مسلمان کے لیے قید میں ہوتے ہوئے بھی موقع پا کر کافروں کے بچوں کو نقصان پہنچانا دُرست نہیں۔

❺ ہمیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اپنی جان سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونی چاہیے۔

❻ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔

❼ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔

❽ نماز کا ہر حال میں اہتمام کرنا چاہیے۔

❾ ہمیں دین سکھانے کا حریص ہونا چاہیے۔

❿ ہر حال میں اچھے اخلاق کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

......(جاری ہے)......

17۔ علی بن فضل یمنی

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

"میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔" (ترمذی)

پورا آسمان آگ کی طرح سرخ ہو رہا تھا، اس سرخ آسمان میں آگ کے گھوڑے بھاگ رہے تھے۔ ان گھوڑوں پر آگ کے ہی آدمی بیٹھے تھے۔ یہ آدمی عام انسانوں کے جیسے نہیں تھے، بل کہ کوئی اور ہی مخلوق تھی۔ ان کے ہاتھوں میں آگ کے بنے ہوئے نیزے تھے اور یہ مخلوق آپس میں لڑ رہی تھی۔ صنعاء شہر کے رہنے والے اس منظر کو اپنے ہوش وحواس کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ انھیں لگ رہا تھا کہ ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہے اور عن قریب یہ مخلوق ان پر حملہ کر دے گی۔

☆

بنو اُمیہ کی سو سالہ حکومت ختم ہوئی تو بنو عباس حکمران بنے اور آٹھ سو سال تک حکومت کی۔ بنو عباس نے اپنا دارالحکومت بغداد کو بنا رکھا تھا۔ بنو عباس کے دورِ حکومت میں بہت سے نبوت کے جھوٹے دعوے دار آئے اور اُنھوں نے حکومت سے جنگ کرنے کے بعد اپنے آپ کو نشانِ عبرت بنوایا۔ بنو عباس کا سترھواں خلیفہ المکتفی باللہ بنا۔ المکتفی باللہ نے صنعاء کا حاکم اسعد بن ابو جعفر کو مقرر کر رکھا تھا۔

صنعاء، یمن کا دارالحکومت ہے، یہ ملک یمن کے درمیان واقع ہے۔ یمن سعودی عرب کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ ۲۹۳ ہجری کی بات ہے، جب صنعاء کے مضافات سے ایک شخص علی بن فضل نمودار ہوا اور اُس نے اپنے آپ کو نبی کہنا شروع کیا۔

پہلے پہل اس نے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا شروع کیا، لیکن کوئی بھی اس کے جھانسے میں نہیں آیا۔ کافی وقت گزر گیا، لیکن کوئی بھی ابن فضل کی بات نہیں مان رہا تھا۔ ابن فضل نے سوچا کہ کس طرح لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا جائے، اس کے لیے اس نے مختلف چیزوں اور چند مختلف قسم کی جڑی بوٹیوں کا ملا کر ایک سفوف بنایا، پھر ایک رات وہ اپنے مکان کی چھت پر چڑھا اور اُس سفوف کو جلتے ہوئے کوئلوں پر چھڑک دیا۔ اس سفوف کا چھڑکنا تھا کہ کوئلوں سے سرخ رنگ کا دھواں اٹھنا شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے آسمان پر چھا گیا، اس دھویں سے رات میں آسمان آگ کی طرح سرخ ہو گیا، پھر ابن فضل نے کوئی منتر پڑھا تو اُس دھویں میں کوئی عجیب سی مخلوق نظر آنے لگی، کچھ دیر میں منظر ایسا ہو گیا کہ پورا آسمان آگ کی طرح سرخ ہو رہا تھا، اس سرخ آسمان میں آگ کے گھوڑے بھاگ رہے تھے۔ ان گھوڑوں پر آگ کے ہی آدمی بیٹھے تھے۔ یہ آدمی عام انسانوں کے جیسے نہیں تھے، بل کہ کوئی اور ہی مخلوق تھی۔ ان کے ہاتھوں میں آگ کے بنے ہوئے نیزے تھے اور یہ مخلوق آپس میں لڑ رہی تھی۔ صنعاء شہر کے رہنے والے اس منظر کو اپنے ہوش وحواس کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ انھیں لگ رہا تھا کہ ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہے اور عن قریب یہ مخلوق ان پر حملہ کر دے گی۔

لوگ خوف زدہ ہو کر آپس میں گفتگو کرنے لگے۔
ایک شخص نے بلند آواز سے پوچھا:
''کیا تم سب کو بھی وہی نظر آ رہا ہے جو مجھے آ رہا ہے؟''
''ہاں۔'' بہت سی ملی جلی آوازیں ابھریں۔
ایک دوسرے شخص نے آواز بلند کی:
''آخر یہ آسمان کیوں لال ہو رہا ہے؟''
''کہیں ہم پر آسمان سے کوئی عذاب تو نہیں نازل ہونے والا؟''
ایک اور شخص نے سوال کیا۔
''لیکن ہم پر عذاب کیوں نازل ہوگا؟''
''ہم نے وقت کے نبی کی بات نہیں مانی ہے۔'' ایک بے وقوف نے اپنی طرف سے بہت ہی سمجھ داری کی بات کی۔
''ہاں، واقعی! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' دوسرے بے وقوف نے اس کی بے وقوفانہ بات کی تائید کی۔
''اب ہمارے لیے بہتر یہی ہے کہ ہم اس وقت کے نبی کے پاس چلیں اور توبہ کریں، تاکہ ہمیں عذاب سے نجات ملے۔'' ایک اور بے وقوفانہ رائے سامنے آئی۔
سب نے اس بے وقوفانہ بات پر لبیک کہا اور ابن فضل کے پاس دوڑے چلے گئے۔
اس بات کا جب امت کے علما اور خاتم النبیین ﷺ کے وارثین کو علم ہوا تو اُنھوں نے لوگوں کو سمجھایا:
''نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ یہ شخص جھوٹا اور مکار ہے، اس نے ایسا جادو سے کیا ہے، تاکہ ہم ڈر کر اِس کی اطاعت کریں اور ایمان سے محروم ہو جائیں۔ اس شعبدے باز کی باتوں میں مت آؤ۔''
مگر بے وقوف لوگوں نے ان علمائے کرام کی بات نہ سنی اور علی بن فضل یمنی پر ایمان لا کر حقیقی ایمان کی دولت سے محروم ہو گئے۔
علمائے کرام نے اپنی کوشش جاری رکھی اور تھوڑے سے لوگوں کو توبہ تائب کروا کر ایمان کے سائے میں واپس لے آئے، باقی اس عیار کی عیاری میں پھنسے رہے۔
علی بن فضل نے اپنی محفل سجا کر اُن لوگوں کو مکاری کی دعوت دینی شروع کی۔ اس دعوت میں اس نے تمام حرام چیزوں کو حلال کر دیا۔
ابن فضل اپنے آپ کو خدا بھی کہتا تھا۔ چناں چہ جب بھی اپنے کسی جاہل عقیدت مند کو خط لکھواتا تو یوں لکھواتا:
''یہ تحریر زمین کے پھیلانے والے اور ہانکنے والے اور پہاڑوں کے ہلانے والے اور ٹھہرانے والے علی بن فضل کی جانب سے اس کے بندے فلاں بن فلاں کے لیے ہے۔''
علی بن فضل یہ غالباً اس وجہ سے لکھواتا تھا کہ ان دنوں بنو عباس کے حالات بہت ہی زیادہ خراب تھے۔ بغداد میں زلزلے آتے تھے اور کئی کئی دن تک آتے تھے۔ بصرہ میں آندھی آتی تھی اور کئی کئی دن تک آتی تھی۔
اردگرد کے ان حالات کے باعث ملک بھر میں بہت زیادہ افراتفری مچی ہوئی تھی، جب کہ اور صنعاء اِن تمام حالات سے محفوظ تھا۔ حکام ان حالات سے نپٹنے میں مصروف تھے، اگرچہ اسعد کو چاہیے تھا کہ صنعاء میں امن ہے تو وہ اس فتنے کی سرکوبی کے لیے قدم اٹھائے، مگر اُس نے ایسا نہیں کیا، یہاں تک کہ انیس سال گزر گئے۔ علی بن فضل نے حکومت سے کوئی بغاوت نہیں کی۔ ایک روز علی بن فضل کے منادی نے حسبِ معمول وعظ کی محفل کا اعلان کیا۔
علی بن فضل کے ماننے والے وہاں پر آ گئے۔ علی بن فضل روزانہ ہی کوئی نہ کوئی لغو بات کرتا تھا اور کسی نہ کسی حرام کو حلال بتاتا تھا۔ آج بھی اس نے ایسا ہی کیا۔
صنعاء کے شریف لوگوں نے جب اس کی آج کی تقریر کی خبر سنی تو اُن سے رہا نہیں گیا، ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اُنھوں نے اسے کھانے میں زہر دے کر ہمیشہ کے لیے سلا دیا۔ یوں صنعاء کے لوگوں کو اِس نبوت کے جھوٹے دعوے دار سے نجات ملی۔

......(جاری ہے)......

عزیز قارئین! آج ہم ایک ایسا تجربہ کرنے جا رہے ہیں جو نہ صرف آپ کے ذہن کو جھنجوڑ دے گا، بل کہ آپ کو زندگی کا ایک اہم سبق بھی دے گا۔ نہیں، اب اتنا زیادہ بھی نہیں جھنجوڑے گا کہ آپ کو چکر آئیں، بس ہلکا پھلکا سا جھٹکا ہوگا، بس اتنا کہ آپ کو تجربہ سمجھ میں آجائے۔ یہ تجربہ پانی کے دباؤ کے اصول پر مبنی ہے۔

اس تجربے کے لیے آپ کو درج ذیل اشیا کی ضرورت ہوگی:

☆ایک پلاسٹک کی بوتل ☆ایک سوئی ☆پانی

اب کرنا کیا ہے؟

1. بوتل کو پانی سے بھریں۔
2. ڈھکن کو اچھی طرح کس کر بند کریں۔
3. سوئی سے بوتل میں سوراخ کریں۔
4. دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے؟ کچھ بھی نہیں!

پانی باہر نہیں نکل رہا تو پھر سوراخ کیوں کیا؟ تھوڑا صبر کریں، جب آپ ڈھکن کھولیں گے تب پانی بہنے لگے گا۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟

یہ ہوا کے دباؤ کا کمال ہے۔ جب ڈھکن بند ہوتا ہے تو ہوا کا دباؤ پانی کو روکتا ہے۔ جب ڈھکن کھولتے ہیں تو دَباؤ کم ہو جاتا ہے اور پانی بہنے لگتا ہے۔

یہ تجربہ ہمیں ایک اور بات بھی سکھاتا ہے کہ ہم میں سے ہر کسی میں کوئی نہ کوئی سوراخ (نقص) موجود ہے، مگر اگر ہم نیک لوگوں کی صحبت کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں تو گناہ کی خواہش پر عمل کو روکنے میں مدد ملتی رہے گی، کیوں کہ جیسے ہوا کا دباؤ پانی کو روکتا ہے، ویسے ہی ہمارے ایمان کا دباؤ ہمیں گناہوں سے روکتا ہے۔

سرمئی مینا صبح سے کھانا تلاش کر رہی تھی۔ کافی دیر بعد اُسے کسی جگہ سے چند دَانے مل گئے۔

سرمئی مینا نے دانوں کو چونچ میں دبایا اور اپنے گھونسلے کی طرف جانے لگے، تاکہ وہ گھونسلے میں جا کر خود بھی کھائے اور اَپنے بچوں کو بھی کِھلائے۔

ابھی سرمئی مینا راستے میں تھی کہ ایک آواز سُن کر گھبرا گئی۔ وہ آواز لالی مینا کی تھی، جس سے سب ڈرتے تھے اور دُور بھاگتے تھے۔

لالی مینا چلا کر بولی: ''سرمئی مینا! رُک جاؤ۔'' اور سرمئی مینا کے پیچھے اُڑنے لگی۔

لالی مینا

سلمان یوسف سمیجہ۔ علی پور

سرمئی مینا نے جلدی سے کہا: ''میں نہیں رُک رہی؟ تم مجھے پریشان کرنے کے لیے میرے پیچھے آ رہی ہو۔ میں کہتی ہوں کہ تم جاؤ اور میرا پیچھا مت کرو۔''

لالی مینا نے سخت لہجے میں کہا: ''میں تو نہیں رُکوں گی، البتہ تمھیں ضرور روک لوں گی۔''

لالی مینا، سرمئی مینا کے قریب پہنچ گئی اور اُس سے کھانا چھیننے لگی۔

''میرا کھانا مت لو۔'' سرمئی مینا نے رونے والے لہجے میں کہا۔

''میں تو سب کا کھانا چھین لیتی ہوں۔'' لالی مینا نے کھانا چھینتے ہوئے کہا۔

لالی مینا طاقت وَر تھی، کمزور پرندے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اپنی طاقت کا فائدہ اُٹھاتی اور کمزور پرندوں سے روزانہ کھانا چھین کر کھا جاتی۔ وہ پرندوں کو زَخمی بھی کر دیتی تھی۔

سرمئی مینا روتے ہوئے بولی: ''میرے بچے بھوکے ہیں، یہ کھانا میں ان کے لیے لے کر جا رہی ہوں۔ یہ مجھ سے مت چھینو۔''

لالی مینا غصے سے بولی: ''رونا بند کرو، اور چُپ چاپ یہ کھانا مجھے دے دو۔''

پھر لالی مینا نے سرمئی مینا کو چونچیں ماریں اور کھانا چھین لیا۔

سرمئی مینا زخمی ہو گئی تھی، وہ بہت مشکل سے زمین پر بیٹھ سکی اور رونے لگی۔

لالی مینا نے دانے کھائے اور سرمئی مینا کو دیکھتے ہوئے ہنسنے لگی۔

''میں نے یہ کہنا بہت مشکل سے ڈھونڈا تھا!'' سرمئی مینا نے روتے ہوئے کہا۔

یہ سن کر لالی مینا اور زور سے ہنسنے لگی اور سرمئی مینا کو چڑانے لگی۔

''تمھارا نام ''ڈاکو مینا'' ہونا چاہیے!'' سرمئی مینا چیخ کر بولی۔

لالی مینا کے ہنسنے کی وجہ سے سرمئی کو غصہ آ رہا تھا۔

''تم مجھے اُلٹا سیدھا مت بولو، ورنہ میں تمھیں اور زخمی کر دوں گی۔'' لالی مینا نے سرمئی مینا کو غصے سے دیکھا اَور وہاں سے اُڑ گئی۔ راستے میں لالی مینا کو

اپنی سہیلی نیلی چڑیا

ملی۔

نیلی چڑیا نے لالی مینا سے پوچھا: ''کہاں سے آ رہی ہو؟''

لالی مینا ہنس کر بولی: ''سرمئی مینا سے کھانا چھین کر آ رہی ہوں!''

نیلی چڑیا نے ناراض ہوتے ہوئے پوچھا: ''تمھیں کیا فائدہ ہوتا ہے یہ سب کر کے؟''

''لالی مینا بولی: مجھے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کھانا مل جاتا ہے، میری بھوک مٹ جاتی ہے۔''

دوسروں سے چھین کر کھاتی رہتی ہو، تمھیں بُرا نہیں لگتا؟ اپنی محنت سے کھانا ڈھونڈا کرو۔'' نیلی چڑیا اور زیادہ ناراض ہو کر بولی۔

لالی مینا آنکھیں مٹکا کر کہنے لگی: ''اپنی محنت ہی سے تو کھانا حاصل کرتی ہوں۔ دوسروں سے کھانا چھیننے میں کافی محنت لگتی ہے۔''

''جتنی محنت تم پرندوں سے چھیننے میں کرتی ہو، اتنی محنت خود کھانا ڈھونڈنے میں کیا کرو۔'' نیلی چڑیا نے کہا۔

''ہونہہ!''

لالی مینا اسے غصے سے دیکھنے لگی۔

''تم کوئی بات سمجھتی نہیں ہو، اُلٹا غصہ کرنے لگ جاتی ہو اور......!'' نیلی چڑیا ابھی بات کر رہی تھی کہ لالی مینا نے بیچ میں غصے سے کہا:

''مجھے اچھا نہیں لگتا کہ کوئی مجھے سمجھائے۔ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔ جو میرا دِل چاہے گا میں وہی کروں گی۔'' یہ کہہ کر لالی مینا وہاں سے اُڑ گئی۔

دوسرے دن لالی مینا ایک جگہ بیٹھی ہوئی اِنتظار کر رہی تھی کہ کوئی پرندہ گزرے اور وہ اس سے کھانا چھین سکے۔

کچھ دیر بعد اُس نے دیکھا کہ بھوری مینا ایک تھیلی لے کر جا رہی ہے۔

''اس تھیلی میں ضرور کھانا ہوگا!'' یہ سوچتے ہی لالی مینا کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ وہ بھوری مینا کے پاس پہنچ گئی اور اُس سے تھیلی چھین لی۔

''اس میں تو بہت سارے دانے ہیں!'' وہ تھیلی کھول کر دیکھنے لگی، اس کے چہرے پر چمک آ گئی۔

”ارے، یہ مت کھانا!“ بھوری مینا پریشان ہوکر بولی۔

لالی مینا نے جلدی سے ایک دانہ کھالیا۔

”یہ دانے زہریلے ہیں!“ بھوری مینا نے چیخ کرکہا۔

لالی مینا پریشان ہوگئی۔

”کک...... کیا؟“ لالی مینا پریشان ہوکر بولی۔

”یہ دانے خطرناک جان داروں کو مارنے کے لیے ہوتے ہیں، ان میں زہر ہے۔ میں نے دکان کھولی ہے، جس میں یہ دانے بھی بیچوں گی۔تم نے میری بات نہیں سنی اور جلدی سے ایک دانہ کھاگئیں۔“ بھوری مینا نے بتایا۔

لالی مینا تو اور زِیادہ پریشان ہوگئی۔

”اب...... اب کیا ہوگا؟“ وہ خوف سے چلائی۔

”تم جلدی سے ڈاکٹر کبوتر کے پاس جاؤ، وہی تمھیں دوائی دیں گے۔“ بھوری مینا نے کہا۔

لالی مینا فوراً ڈاکٹر کبوتر کے پاس پہنچ گئی اور ساری بات بتائی۔لالی مینا کا وہاں فوراً علاج کیا گیا۔

”شکر ہے کہ تم فوراً یہاں آگئیں۔اگر دیر ہوجاتی تو تم مَر جاتیں۔“ ڈاکٹر کبوتر نے کہا۔

اس دن کے بعد لالی مینا نے دوسروں کی چیزیں چھننے اور دُوسروں کو تنگ کرنے سے توبہ کر لی اور دُوسروں سے چھیننے کے بجائے اپنی محنت سے کھانا تلاش کر کے کھانے لگی۔
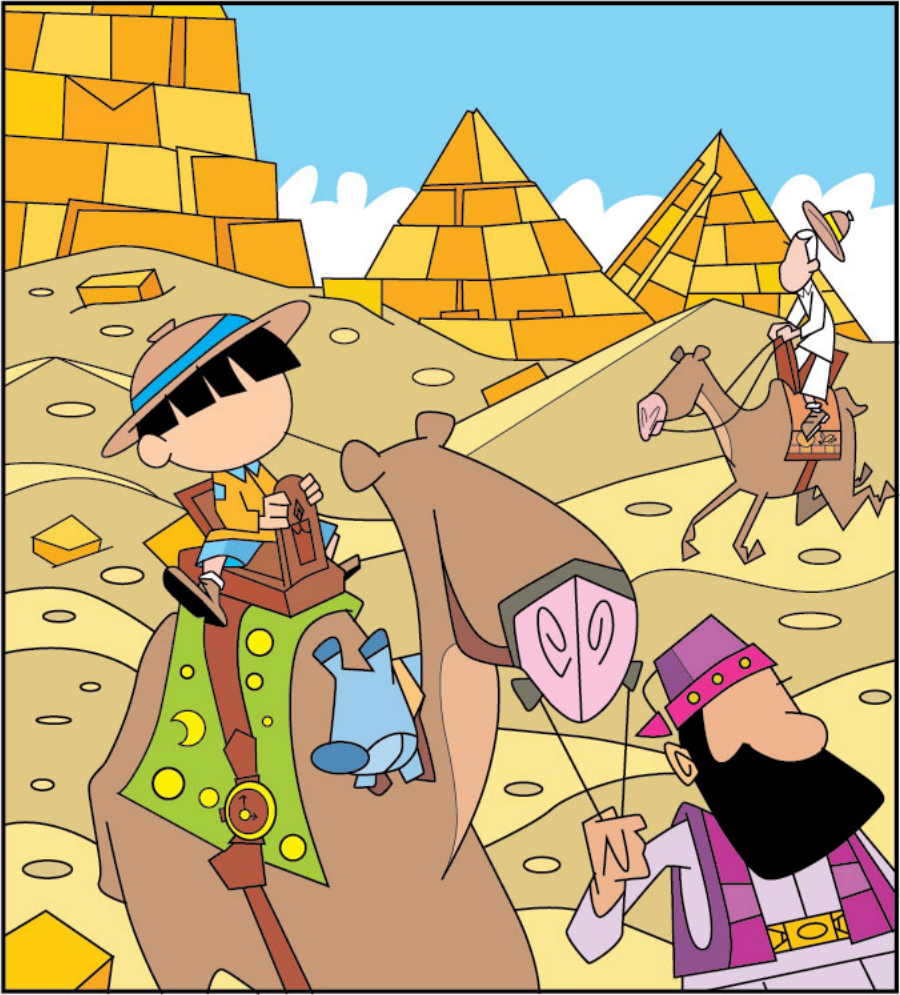
تصویر میں چھپی ہوئی چیزیں تلاش کریں۔

آؤ رنگ بھریں
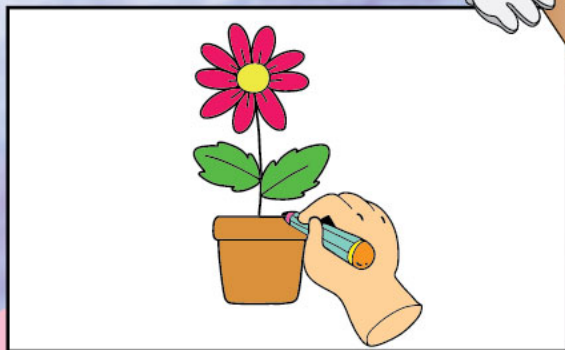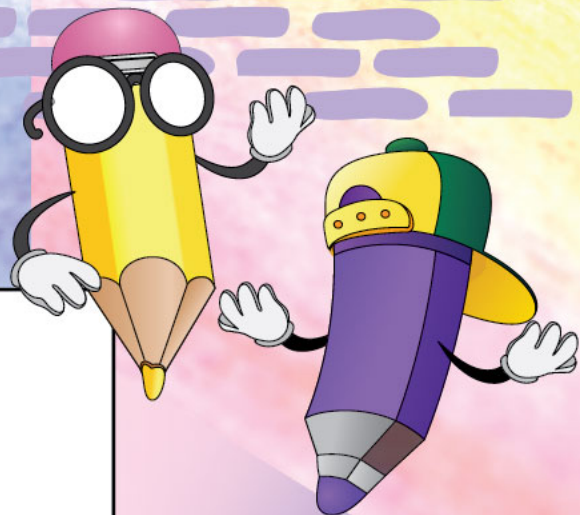
پیارے بچو! رنگ بھر کر اپنے والدین کو بھی دکھایئے۔

کاٹیں اور چپکائیں

شام ہونے کو تھی۔ کندھے سے ڈھلکتا بستہ اور منہ لٹکائے احمر پڑھ کر واپس آیا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے ناک سکیڑ کر مانوس سی خوش بُو محسوس کی۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ پورے گھر میں موتی چور کے لڈوؤں کی سوندھی سوندھی خوش بو پھیلی ہوئی تھی۔

''آہا پھیلی ہے ہر سو، میٹھی میٹھی سی خوش بو......'' گنگناتے ہوئے وہ باورچی خانے کی طرف بھاگا۔

''لگتا ہے دادو آئی ہیں۔'' وہ بڑبڑایا۔

''السلام علیکم دادو! مجھے یقین تھا کہ آپ آئی ہیں۔'' وہ بھاگ کر دَادو کے گلے لگ گیا۔

''میرا پیارا بچہ کیسا ہے؟'' اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے دادو نے پوچھا۔

''الحمدللہ! ٹھیک ہوں۔ آپ کب آئیں؟''

''ابھی جب تم پڑھنے گئے ہوئے تھے۔''

''اور آتے ہی باورچی خانے میں چلی گئیں میرے پسندیدہ لڈو بنانے کے لیے!؟''

اس نے دادو کے ہاتھ تھامے رکھے ہی حیرانی سے پوچھا۔

''بالکل!''

''واہ! بہت خوب!'' وہ خوشی سے اچھلا۔

سامنے ہی پرات میں پیلے رنگ کا دَانے دار آمیزہ رکھا تھا۔ دادو کچھ لڈو بنا چکی تھیں، بقیہ انھیں جلدی جلدی بنانے تھے، کیوں کہ آمیزہ ٹھنڈا ہو جاتا تو لڈو ٹھیک سے جڑتے نہ تھے۔

''جلدی سے جاؤ، بستہ کمرے میں رکھو، منہ ہاتھ دھو کر آجاؤ۔ جب تک میں چائے بناتی ہوں، تب تک دادو لڈو بنا لیں گی۔'' احمر کی امی نے باورچی خانے میں داخل ہوتے ہی اسے کہا۔

وہ سر ہلاتے ہوئے خوشی خوشی اپنے کمرے کی طرف بھاگ گیا۔

چہارم جماعت کا طالب علم احمر اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ کچھ

موتی چور کے لڈو

تنزیلہ احمد۔ اوکاڑہ

گلیاں چھوڑ کر ایک ہی کالونی میں اس کے چاچو کا گھر تھا۔ دادو اُن کے پاس رہتیں اور مہینے میں چند روز کے لیے احمر کے گھر آتیں۔ احمر کے چاچو کے دو بچے تھے، ایک بیٹا اور بیٹی۔ اسد قریباً احمر کا ہم عمر تھا، جب کہ ایمن چار برس کی تھی۔

شام کو ابو بھی دفتر سے آ گئے۔ دادو نے لڈو اور اُمی نے چائے تیار کر لی تھی۔ باتیں کرتے اور لڈو کھاتے ہوئے سب بہت خوش لگ رہے تھے۔

''دادو! آپ نے میرے لیے الگ سے لڈو رکھے ہیں نا!؟''

احمر نے لڈو کھاتے ہوئے سوال کیا۔ دادو نے مسکراتے ہوئے ہاں میں سر ہلا دیا۔

دادو کے آنے سے گھر میں خوب رونق ہو جاتی تھی۔ وہ احمر کو مزے مزے کے سبق آموز قصے اور کہانیاں سناتیں۔ بہو کے ساتھ کام کاج میں مدد کرتیں، گھر داری میں اچھے مشورے بھی دیتیں۔ ان کے یہاں ہوتے ہوئے چاچو کی دعوت لازماً ہوتی۔

آج ہفتہ تھا۔ کل اتوار کے روز دعوت رکھ لی گئی۔ امی صبح سے ہی باورچی خانے میں مصروف تھی۔ ابو ضروری سامان دینے کے بعد خود ایک کام کے لیے باہر جا چکے تھے۔ دادو برآمدے میں بیٹھی سبزی کاٹتی رہیں۔ احمر صحن میں گیند سے کھیل رہا تھا۔ جب تھک گیا تو دادو کے پاس چلا آیا اور مٹر چھیلنے لگا۔

''دادو! آپ بھی کچھ بنائیں گی؟''

احمر نے پوچھا۔

''میرا ارادہ ہے کہ سبزی پلاؤ بناؤں۔ میرے سب بچوں کو پسند ہے نا!'' انھوں نے جواب دیا۔

''ویسے دادو! آپ ہمیشہ دوسروں کی پسند کا کچھ نہ کچھ بناتی ہیں، اپنی پسند کا کچھ کیوں نہیں پکاتیں؟''

اس کا سوال سن کر دادو بے ساختہ ہنسنے لگیں۔

''بھئی، سوال تو بہت اچھا ہے اور اِس کا بہت اچھا جواب بھی ہے میرے پاس، لیکن میرا خیال ہے کہ ابھی تھوڑی مصروفیت ہے۔ رات کو جب کہانی سننے آؤ گے تو تب جواب ملے گا۔''

''ٹھیک ہے دادو!'' احمر بولا۔ اتنے میں گھنٹی بجی اور وہ دروازہ کھولنے کے لیے بھاگ گیا۔

''یہ اچھی بات ہے کہ ضدی نہیں، ایک بات کے پیچھے نہیں پڑتا۔'' دادو بڑبڑائیں اور سبزی کی ٹوکری اُٹھائے باورچی خانے کی طرف بڑھ گئیں۔

چاچو آ چکے تھے۔ احمر کے ابو اور چاچو برآمدے میں بیٹھ گئے۔ چاچی باورچی خانے میں چلی گئیں اور تینوں بچے صحن میں کھیلنے لگے۔ ایمن سب سے زیادہ شرارتی تھی۔ دونوں لڑکوں کا کھیل وہ ہی خراب کرتی۔ اب بھی وہ گیند اُٹھا کر کہیں چھپا آئی تھی اور دونوں اس کی منتیں کر رہے تھے کہ وہ بتا دے کہ گیند کہاں چھپائی ہے۔ تنگ آ کر اُسد نے بہن کا کھلونا چھپا دیا۔ یوں ان میں نوک جھوک شروع ہو گئی۔

''آ جاؤ بچو! کھانا لگ گیا ہے۔'' دادو نے آواز لگائی۔

کھانا لگنے کی آواز پر تینوں ہاتھ دھونے کے لیے بھاگ گئے۔ دادو نے سختی سے کہہ رکھا تھا کہ ہاتھ دھوئے بغیر کوئی دستر خوان پر نہ آئے۔ جو ایسا نہ کرتا اسے کھانا سب سے آخر میں ملتا۔

کھانا دیکھتے ہی سب کی بھوک چمک اٹھی۔ شامی کباب، قورمہ، کڑاہی، سبزی پلاؤ، سلاد اور رَائتہ۔ سب نے خوش ہو کر کھانا کھایا۔ دادو دِل ہی دل اپنے بچوں کے اتفاق، خوشی اور سلامتی کی دعا کرتی رہیں۔

نماز کے بعد دادو کو پیاس محسوس ہوئی۔

''اوہو، جگ میں تو پانی ختم ہو گیا ہے۔'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے اٹھیں۔ کمرے سے نکلتے ہی انھیں احمر دبے پاؤں باورچی خانے میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔ وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھیں۔ کھڑکی سے ذرا سا جھانکنے پر وہ سمجھ گئیں کہ وہاں کیا چل رہا ہے۔

منہ اور جیب بھر کر وہ باہر بھاگ گیا۔ دادو آگے بڑھنے والی تھیں کہ انھیں ایمن چپکے سے وہاں آتی نظر آئی۔

''ایمن گڑیا کو کیا چاہیے؟'' دادو نے سوچا۔

کچھ دیر پہلے جو اَحمر کر رہا تھا وہی کچھ اپنی پوتی کو کرتا دیکھ کر اُن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ انھیں یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ایمن چپکے چپکے احمر کو یہاں آتا دیکھ چکی تھی۔

وہ اسے ٹوکے بغیر برآمدے کی طرف بڑھ گئیں۔

☆

ایمن اور اَسد والدین کی اجازت سے آج رات تایا ابو کے گھر رک گئے تھے۔ سب بچے خوش تھے کہ رات کو دادو کے پاس سوئیں گے، کہانی سنیں گے اور خوب کھیلیں گے۔

دادو، عشا کی نماز اَدا کر کے آئیں تو تینوں ان کے بستر پر موجود تھے۔

''دادو! کہانی سنائیں۔'' ایمن چہکی۔

''نہیں دادو! پہلے میرے سوال کا جواب۔'' احمر جھٹ سے بولا۔

دادو مسکرا دیں۔ اتنے ہلے گلے میں بھی وہ اپنے سوال کا جواب لینا نہیں بھولا تھا۔

''کون سا سوال؟'' اسد نے ماتھے پر بل ڈالے۔ سوال جواب اسے پسند نہ تھے۔

''احمر بیٹا! پہلے آپ جا کر لڈو کا برتن تو اُٹھا لاؤ۔'' من پسند بات سن کر اَحمر فٹافٹ بستر سے اترا۔ ایمن اور اَسد کی آنکھیں بھی چمک اٹھیں۔

احمر کے واپس آنے سے قبل دادو نے دونوں بچوں کو سوال کے بارے بتا دیا۔

دادو بیچ میں بیٹھ گئیں اور وہ تینوں ان کے اردگرد۔

''اچھا تو احمر میاں! صبح آپ نے جو مشکل سوال پوچھا تھا، اس کا جواب سننے کے لیے تیار ہو؟'' دادو نے شرارتی انداز میں پوچھا۔

''جی، جی!'' اس نے سر ہلایا۔

''دیکھو بچو! چاہے آپ کے والدین ہوں یا میں، سب آپ کی پسند کا خیال رکھتے ہیں نا!؟'' انھوں نے بچوں کے چہروں کو دیکھا تو سب نے ہاں میں سر ہلا دیے۔

''اس لیے کہ زندگی میں رشتوں اور اَولاد سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ جب ہم چھوٹے تھے تو ہمارے والدین اور بڑے ہماری پسند کا خیال رکھتے تھے۔ اب ہم آپ لوگوں کا رکھتے ہیں۔''

دادو نے ان کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''اوہ اچھا! اس کا مطلب ہے، بچپن میں سب بڑے بھی مزے کرتے ہیں۔ جب ہم بڑے ہو جائیں گے تو ایسا ہی کریں گے۔'' احمر بولا۔

''شاباش! میرا سمجھ دار بچہ۔''

''دادو! اب تو لڈو دے دیں نا!'' اسد بے صبری سے بولا۔ اس بے چارے نے ابھی تک ایک بھی نہیں چکھا تھا۔

جیسے ہی دادو نے برتن کھولا، احمر کا منہ بن گیا۔

''اف! لڈو اِتنے کم کیسے ہو گئے۔ دادو! دیکھیں نا! یہ تو بہت سارے تھے۔'' اس نے منہ بسورا۔

''میں نے سب دیکھ لیا تھا۔ تم نے سوچا کہ اپنے پسندیدہ لڈو خود ہی کھا لوں، جب کہ شریر ایمن تمھارا پیچھا کرتے ہوئے آئی، اور......''

''اور کیا؟'' احمر نے جھٹ سے پوچھا۔

''اور لڈو اپنی قمیص کی جیب میں بھر کر لے گئی۔ اب سمجھ میں آیا کہ لڈو کیسے کم ہوئے۔''

دونوں اپنی چوری پکڑے جانے پر پہلے گھبرا گئے۔ اگلے ہی پل وہ ہنسنے لگے۔

''بیٹا! اگر تم خود ہی ایمن اور اَسد کو لڈو دے لیتے تو اچھا ہوتا نا! مل بانٹ کر کھانے میں تو برکت ہے۔''

دادو نے لڈو کا برتن احمر کے سامنے رکھتے ہوئے سمجھایا۔

''پیارے بچو! موتی چور کے لڈو کھا لو۔'' ان دونوں کو دیکھتے ہوئے احمر ایسے انداز میں بولا کہ دادو ہنسنے لگیں۔ تینوں بچوں نے مسکراتی آنکھوں سے انھیں دیکھا، کیوں کہ منہ تو لڈو سے بھرے ہوئے تھے۔

اپریل فول

محمد اسد اللہ۔ ہندوستان

سب سے پہلے مجھے اپریل فول کے بارے میں کب پتا چلا؟

جب یہ سوچنا شروع کیا تو مجھے یاد آیا کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم کالج میں پڑھنے کے لیے شہر کے ایک ہاسٹل میں رہتے تھے۔ کسی طالب علم نے اپریل فول منانے کے لیے اپنے کسی دوست کے متعلق دوسرے دوست کو یہ خبر دی کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے، وہ کار سے زخمی ہوگیا ہے۔ ہوتے ہوتے یہ خبر اُس کے والد تک جا پہنچی۔ وہ بے چارے دل کے مریض تھے، انھیں اس قدر صدمہ ہوا کہ انھیں ہسپتال میں داخل کرنا پڑا۔ شکر ہے، بعد میں وہ جلد ہی ٹھیک ہوگئے۔ ظاہر ہے، یہ خطرناک حرکت تھی۔

عام طور پر سبھی جانتے ہیں کہ ہر سال اپریل کے مہینے کی پہلی تاریخ کو اَپریل فول کے نام سے لوگوں کو ہنسی مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے، کسی کو بے وقوف بنایا جاتا ہے اور جب اصل بات سامنے آتی ہے تو ''اپریل فول'' کہہ کر شور مچاتے ہیں۔ یہ سلسلہ کب سے شروع ہوا؟ اس کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، البتہ تاریخی اعتبار سے طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں۔

یوں کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق ایک رومن تہوار ہیلیریا (Hilaria) سے ہے جو کسی دیوی کے اعزاز میں منایا جاتا تھا۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ اس کا تعلق قدیم فارس (ایران) میں اسپرنگ ایکوینوکس (Spring Equinox) کی تقریبات کے موقع پر ہونے والے ہنسی مذاق سے ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ زمانۂ وسطیٰ میں یورپ کے بیش تر علاقوں میں ۲۵/ مارچ کو نئے سال کا پہلا دن منایا جاتا تھا۔ فرانس میں اس دوران میں چھٹیاں ہوا کرتی تھیں، جو یکم اپریل تک چلی جاتی تھیں۔ اس دن وہاں ان لوگوں کا مذاق اڑایا جاتا تھا جو یکم جنوری کو نئے سال کا پہلا دن مانتے تھے۔ اسی رجحان کے تحت وہاں اپریل فول منایا جانے لگا۔

انگلستان میں بھی اپریل فول منانے کا رِواج ملتا ہے۔ مختلف ملکوں مثلاً جرمنی، ایران، آئرلینڈ، اٹلی، فرانس اور پولینڈ وغیرہ میں یہ مختلف ناموں سے منایا جاتا ہے۔

بعض لوگ اس موقع پر ہونے والے ہنسی مذاق اور شرارتوں کو پسند کرتے ہیں اور اِسے صحت کے لیے مفید سمجھتے ہیں، لیکن اکثر اِسے دھوکے بازی، جھوٹ اور کسی کو جھانسا دینے کی کوشش کی وجہ سے قابلِ مذمت قرار دیتے ہیں۔ مارچ ۲۰۲۰ء میں کرونا کے زمانے میں کئی سماجی تنظیموں نے اسے نہ منانے کی اپیل کی تھی۔ اس زمانے میں بے شمار لوگ اس وبا کا شکار ہوکر اِنتقال کر گئے تھے۔ اس سوگوار ماحول کی وجہ سے لوگوں نے اس قسم کی تفریح کو بہت بُرا سمجھا۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جو بات اس وقت بُری تھی وہ اب بھی بُری ہے، اس لیے اس قسم کی بے ہودہ تفریح اور ہنسی مذاق، بل کہ دھوکا دہی کو بُرا ہی سمجھنا چاہیے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہمارے ملک اور مشرقی تہذیب میں ایسی حرکتوں اور آزادی کو بُرا سمجھا جاتا ہے جس سے کسی کو تکلیف ہو۔ کسی کا دِل دکھانے والا ہر کام اخلاقی طور پر بُرا ہے۔ اسلام میں ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ بولنے سے منع کیا گیا ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب میں کسی کے دل دکھانے یا اسے تکلیف پہنچانے کو ایک بُرا کام قراد دِیا ہے اور اِس سے دور رہنے کو کہا گیا ہے۔ اسلام میں بھی لوگوں کو نقصان پہنچانا، ان کی بے عزتی کرنا، کسی کو حقیر سمجھنا اور کسی کا مذاق اڑانا، یہ سب بُرے کام کہلاتے ہیں۔

اچھے اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ ہم لوگوں کے لیے فائدہ پہنچانے والا انسان بن کر جییں۔ کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں، مذاق نہ اڑائیں اور نہ ذلیل کریں۔ ہمیں ایسے تہوار منانے کے جوش میں ایسے کام ہرگز نہیں کرنے چاہییں جو بداَخلاقی میں شمار کیے جاتے ہیں اور اِسلام اور مسلمانوں کے طور طریقے اور رسم و رِواج کے منافی ہیں۔

زبان دانی کی مہارتوں میں سے ایک مہارت یہ بھی ہے کہ ہمیں اس زبان کی کہاوتیں اور ضرب الامثال معلوم ہوں اور ان کا برمحل استعمال کر کے اپنی تقریر و تحریر کو چار چاند لگا سکیں۔ اس مرتبہ ایسی ہی ایک مشق لے کر حاضر خدمت ہیں، جس میں آپ دیے گئے جملوں کو سمجھ کر وہاں کے لیے دی گئی ضرب الامثال میں سے مناسب ضرب المثل کا انتخاب کر کے لکھیں اور ہمیں ارسال کریں۔
تو اُٹھائیے قلم اور لکھ بھیجیے درست جواب۔ کوپن ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔ کوپن بھیجنے کی آخری تاریخ ۳۰ اپریل ہے۔

ضرب الامثال:

۱ اب پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔
۲ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔ ۳ اونچی دکان، پھیکا پکوان۔ ۴ چور کی داڑھی میں تنکا۔ ۵ آج مَرے، کل دوسرا دِن۔

جملے:

نمبر شمار	جملے	ضرب الامثال
۱	یہ دنیا عارضی ٹھکانا ہے، کچھ وقت بعد سبھی اسے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔	
۲	امتحانات کے وقت محنت نہیں کی اور اب ناکام ہو جانے کے بعد افسوس کر رہے ہیں۔	
۳	کسی معاملے کے وقت جب تحقیق ہو رہی ہو تو موجودہ لوگوں میں سے کسی کا ایسی حرکت کرنا جس کی وجہ سے معلوم ہو کہ یہ اسی کی شرارت ہے۔	
۴	کسی کی بہت زیادہ تعریف سنی، لیکن جب آزمایا تو بہت کم پایا۔	
۵	جب کسی کو کوئی کام کرنا نہ آتا ہو اور وہ اس میں بلاوجہ نقص نکالے۔	

کیا ۱۷ پھر ہوا؟

پرندوں والے بابا جی

نذیر انبالوی۔ لاہور

حارث، حمزہ اور حمنہ، دادی جان کے پاس بیٹھے تھے۔ دادی جان نے انھیں محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

''میرے راج دلاور! آج کی کہانی ایک خدا ترس شخص احمد علی کی ہے، اسے پرندوں سے بہت محبت تھی۔ یہ برسوں پہلے کی بات ہے، میں اور آپ کے دادا جان گاڑی میں سوار نہر کے قریب سے گزر رہے تھے۔

وہاں ہم نے ایک منظر دیکھا، بہت ہی عجیب منظر۔''

دادی جان نے اتنا کہہ کر بچوں سے پوچھا:

''جانتے ہو وہ منظر کیا تھا؟''

''نہیں دادی جان! آپ بتائیں، وہ منظر کیا تھا؟'' حمزہ بولا۔

''نہر کے دائیں طرف ایک درخت کے نیچے ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، اس کے اِردگرد بہت سے پرندے تھے، جن میں چڑیا، توتے اور کوے شامل تھے۔ ہم نے گاڑی اس کے قریب روکی تو پرندے پُھر کر کے اُڑ گئے۔ ہمارے وہاں رکنے سے پرندے شاید ڈر گئے تھے۔ وہ شخص، جس کا نام احمد علی تھا، نے ہمیں ناخوش گوار انداز میں دیکھا۔ وہ شکوہ کرتے ہوئے ہماری طرف بڑھا:

''پرندے آپ کی وجہ سے اُڑ گئے ہیں۔''

''کیا اب پرندے واپس نہیں آئیں گے؟'' تمھارے دادا جان نے پوچھا۔

''جب آپ جائیں گے تو سب پرندے واپس آجائیں گے۔ وہ دیکھیے، کوے، چڑیا اور توتے درختوں پر موجود ہیں، سب بھوکے ہیں، میں ان کے لیے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے انھیں کھلا رہا ہوں، سب بے چارے بھوکے ہیں۔'' احمد علی باتیں تو ہمارے ساتھ کر رہا تھا، مگر اُس کی نظریں درختوں پر جمی تھیں۔

''کیا پرندے آپ سے ڈرتے نہیں؟'' تمھارے دادا جان کا سوال سن کر احمد علی نے جواب دیا:

میں پرندوں سے محبت کرتا ہوں، ان کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں۔ پرندے مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ آجاؤ، میرے پرندو! گھبراؤ مت، آجاؤ، آ...... آ......آ......''

ہم نے وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ جب تمھارے دادا جان نے گاڑی آگے بڑھائی تو پرندے بہت تیزی سے احمد علی کے پاس آگئے۔ کچھ چڑیاں اس کے سر پر بیٹھ گئی تھیں۔ گاڑی کے شیشے سے سب کچھ دکھائی دے رہا تھا۔''

دادی جان! جب چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئیں تو حارث بولا:

''پھر کیا ہوا دادی جان!؟''

چند دِن بعد ہم دوبارہ نہر کی طرف گئے تو اَحمد علی وہاں موجود تھا۔ پرندے حسبِ معمول وہاں موجود تھے۔ احمد علی روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے زمین پر ڈالتا جارہا تھا۔ ہم دور ہی سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ ہمارے وہاں جانے کے بعد پرندے اُڑ جائیں۔ احمد علی بھی ہمیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ہمیں سلام کیا۔ جب گاڑی ایک کوٹھی کے سامنے رُکی تو وہ تیزی سے ہماری طرف آیا۔''

''دادی جان! کیا تب بھی پرندے اس کے ساتھ تھے؟'' یہ سوال حمنہ نے معصومانہ انداز میں کیا تھا۔

''جی ہاں، کچھ پرندے تب بھی اس کے کندھے پر موجود تھے۔ سب پرندے بے خوف تھے۔

''صاحب جی! کیا حال ہے؟'' احمد علی نے گاڑی کے قریب آ کر کہا۔

''تمھارے دادا جان بولے:

''اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، تمھارے پرندوں کا کیا حال ہے؟''

''میرے پرندے آپ کے سامنے ہیں، سب ٹھیک ہیں، سب خوش ہیں۔'' احمد علی نے مسکرا کہا۔

''یہ لو، میری طرف سے پرندوں کے لیے دانہ لے لینا۔'' تمھارے دادا جان نے سو روپے احمد علی کو دینا چاہے تو وہ جھٹ سے بولا:

’’نہیں صاحب جی! ان پیسوں کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا دیا میرے پاس بہت کچھ ہے، میرے بیٹے برسرروزگار ہیں، اچھا گزر بسر ہو رہا ہے، میں پیسے نہیں لوں گا۔‘‘

تمھارے دادا جان نے اس سے کوئی بحث نہ کی اور خاموشی سے سو روپے کا نوٹ بٹوے میں رکھ لیا۔ اس وقت ایک چڑیا اس کے سر پر بیٹھی ’’چوں، چوں، چوں‘‘ کر رہی تھی۔ میں نے جیسے ہی گاڑی کا شیشہ نیچے کیا چڑیا پُھر سے اُڑ گئی۔‘‘ دادی جان نے یہاں تک کہانی سنا کر بچوں سے پوچھا:

’’معلوم ہے، پھر کیا ہوا؟‘‘

’’پھر کیا ہوا دَادی جان!؟‘‘ حمزہ نے سوال کیا۔

’’پھر ہم ہر روز اَحمد علی کے پاس جانے لگے۔ ہم گاڑی ایک طرف کھڑی کرتے اور دَرخت کے نیچے جا بیٹھتے۔ چند دِن تو پرندے ہمارے وہاں پہنچتے ہی فوراً اڑ جاتے۔ احمد علی پرندوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا:

’’ڈرو مت، درختوں سے نیچے آجاؤ، یہ دونوں بھی تمھارے دوست ہیں، آجاؤ نیچے۔‘‘

پرندے تو گویا احمد علی کی زبان سمجھتے تھے۔ اس کے بلانے پر ایک دو چڑیا اور کوے درخت سے نیچے اترے۔ وہ ابھی کچھ فاصلے پر ہی تھے۔ لگ رہا تھا انھیں ہماری موجودگی اچھی نہیں لگ رہی۔

’’آجاؤ، مت گھبراؤ، یہ ہمارے اپنے ہیں، یہ تمھیں پکڑیں گے نہیں، آجاؤ۔‘‘ احمد علی نے روٹی کے ٹکڑے پرندوں کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

پھر آہستہ آہستہ سارے پرندے درختوں سے نیچے اتر آئے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے پرندوں کا خوف جاتا رہا ہے۔ اب ہمارے آس پاس پرندے ہی پرندے تھے۔

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ......‘‘ اتنا کہہ کر دَادی جان کسی گہری سوچ میں گم ہو گئیں۔

’’پھر کیا ہوا دادی جان!؟‘‘ حمنہ بولی۔

’’اس دن ہم درخت کے قریب پہنچے تو وہاں ہر طرف پرندے ہی پرندے تھے، مگر اَحمد علی نہ تھا۔ ہم چوں کہ گاڑی میں دانہ رکھتے تھے، ہم نے دانہ وہاں بکھیرا تو پرندوں نے اس میں سے چند دانے ہی کھائے۔ لگ رہا تھا انھیں دانہ پسند نہیں آیا۔

’’احمد علی نہ جانے کہاں چلا گیا ہے؟‘‘ تمھارے دادا جان نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

’’اس ریڑھی والے سے پوچھتے ہیں۔‘‘

میں نے درخت کی بائیں طرف نان چنے بیچنے والے کی طرف اشارہ کیا۔

چند لمحوں بعد ہم ریڑھی والے کے سامنے کھڑے تھے۔ اس سے احمد علی کے بارے میں معلوم کیا تو اُس ریڑھی والے آدمی نور احمد نے بتایا:

’’کل احمد علی درخت کے نیچے پرندوں کے درمیان بیٹھا تھا کہ ایک تیز رفتار گاڑی، جسے ایک کم سن لڑکا چلا رہا تھا، احمد علی سے ٹکرائی تھی، جس سے احمد علی بھی زخمی ہوا اور چند پرندے بھی اس کی زد میں آئے۔‘‘

’’اب احمد علی کہاں ہے؟‘‘ تمھارے دادا جان نے پوچھا۔

’’احمد علی کو چند رَاہ گیر زخمی حالت میں ہسپتال لے گئے تھے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ مجھے اس کا علم نہیں۔‘‘

’’کیا آپ کو اَحمد علی کے گھر کا علم ہے؟‘‘ تمھارے دادا جان کا سوال سن کر نور اَحمد بولا:

’’مجھے اس کے گھر کا تو علم نہیں، مگر اِتنا پتا ہے کہ اس کا گھر باغ کے ساتھ والی بستی رحمت نگر میں ہے، آپ وہاں چلے جایئے۔‘‘

دادی جان جب یہاں تک کہانی سنا چکیں تو حارث نے پوچھا:

’’آپ کو اَحمد علی کا گھر ملا یا نہیں؟‘‘

’’جب ہم رحمت نگر پہنچے تو ایک دکان دار سے احمد علی کے گھر کے بارے میں پوچھا، اس نے لاعلمی کا اظہار کیا، پھر تمھارے دادا جان نے ایک آدمی سے یہ کہا کہ وہ شخص جو نہر کے قریب درخت

کے نیچے پرندوں کو دانہ ڈالتا ہے، ہمیں اس کے گھر کی تلاش ہے۔''

''وہ پرندوں والے باباجی!؟''

''جی...... جی...... وہ پرندوں والے باباجی۔'' تمھارے دادا جی نے فوراً کہا۔

''ان کا گھر پچھلی گلی میں ہے، گھر کے دروازے کا رنگ نیلا ہے، گلی کا آخری گھر پرندوں والے باباجی کا ہے۔''

جب ہم نے نیلے دروازے پر دستک دی تو ایک نوجوان باہر آیا۔ علیک سلیک کے بعد ہم نے احمد علی کے بارے میں پوچھا تو اُس نوجوان نے بتایا:

''ابا جی! اس وقت ہسپتال میں داخل ہیں، ان کی بائیں ٹانگ ٹوٹ گئی ہے، وہ بہت تکلیف میں ہیں، میں کچھ دیر پہلے ہی وہاں سے آیا ہوں۔''

''بہت افسوس ہوا، ہم ابھی احمد علی کے پاس جارہے ہیں۔''

پھر میں اور تمھارے دادا جان ہسپتال گئے، احمد علی سے ملے۔ اس کی ٹانگ پر پلستر چڑھا ہوا تھا۔ وہ بہت تکلیف میں تھا۔ اس تکلیف میں بھی وہ اپنے پرندوں کو نہیں بھولا تھا۔ وہ بار بار پرندوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ جب ہم وہاں سے آنے لگے تو اَحمد علی نے کہا:

''پرندوں کو کہیے گا کہ میں جلد اُن کے درمیان ہوں گا۔ ہاں، میری عدم موجودگی میں آپ پرندوں کا خیال رکھیے گا، میں آپ کا شکر گزار رَہوں گا۔''

یہ کہتے ہوئے دادی جان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''پھر کیا ہوا دادی جان!؟'' حمزہ بولا۔

''پھر میں اور تمھارے دادا جان پرندوں کے لیے دانہ لے کر جانے لگے۔ پرندے اب ہم سے مانوس ہو گئے تھے، ان کا خوف جاتا رہا تھا۔''

''پھر اَحمد علی کب پرندوں کے پاس واپس آئے؟'' حارث نے سوال کیا۔

''احمد علی پھر دُوبارہ پرندوں کے پاس نہ آسکا۔ ہسپتال میں اسے دل کا دورہ پڑا، جس سے اس کا انتقال ہو گیا۔ اس دن ہمارے ساتھ پرندے بھی اداس تھے۔ پرندوں کا دُوست دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ احمد علی کی وفات کے بعد تمھارے دادا جان باقاعدگی سے پرندوں کے پاس جانے لگے۔ پرندے اب ان کے کندھوں اور سَر پر بھی بیٹھ جاتے تھے۔ یہ منظر مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ تمھارے دادا جان بھی کچھ عرصہ بیمار رہ کر اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے۔''

''پھر اُن پرندوں کا کیا بنا؟'' حمزہ کے لہجے میں فکر کا عنصر نمایاں تھا۔

''تمھارے دادا جان کے انتقال کے بعد نان چنے بیچنے والا نُور اَحمد پرندوں کا ہم درد بن گیا۔ اب وہ پرندوں کے لیے دانہ ڈالتا ہے۔ میں کبھی کبھار تمھارے ابا جان کے ساتھ وہاں سے گزرتی ہوں تو نور اَحمد کے اِردگرد پرندوں کو دیکھ دل خوش ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو، جب ایک انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اُس کی جگہ اللہ تعالیٰ کسی اور کو لا کھڑا کرتا ہے، نظامِ کائنات اسی طرح چل رہا ہے، یہ نظام تب تک چلتا رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔''

''ہم بھی آپ کے ساتھ پرندوں اور پرندوں والے باباجی کو دیکھنے جائیں گے۔'' حمزہ پھر بولا۔

''ضرور، ہم ضرور وہاں جائیں گے، جہاں پرندے بے خوف و خطر نُور اَحمد کے اِردگرد بیٹھے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں محبت اور تحفظ کی فضا ہو وہاں پرندے بھی اپنے بن جاتے ہیں، محبت کی زبان تو بے زبان بھی سمجھتے ہیں۔''

دادی جان کی زبانی پرندوں والے باباجی کی کہانی سن کر بچے انھیں اللہ حافظ کہہ کر سونے کے لیے اپنے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

(یہ جاننے کے لیے پڑھیے، اگلے شمارے میں، ایک نئی کہانی، دادی جان کی زبانی)

☆ایک آدمی سیڑھی پر کھڑا ہو کر گھڑی کے اوپر لگا بلب نکال رہا تھا کہ اس سے کسی نے پوچھا:
''بلب نکال رہے ہو؟'' وہ آدمی غصے سے بولا:
''نہیں، آنکھیں خراب ہیں۔ یہاں سے گھڑی میں وقت دیکھ رہا ہوں۔''

☆نعمان (اپنے بھائی غفران سے):
''تمھیں نہ لکھنا آتا ہے نہ پڑھنا، آخر تمھیں آتا کیا ہے؟''
غفران: مجھے صرف پسینا آتا ہے۔''

☆ایک دوست (دوسرے سے):
''اگر دُنیا میں پانی ختم ہو جائے تو کیا ہو گا؟''
دوسرا دوست: ''پھر دودھ خالص ملے گا۔''

(حمزہ طلحہ۔کراچی)

☆ایک گاہک دکان دار کے پاس گیا اور بولا:
''چینی ہے؟''
دکان دار: ''ہاں، وہ دیکھو، سامنے بوری رکھی ہوئی ہے۔''
گاہک: ''لیکن اس پر تو نمک لکھا ہوا ہے۔''
دکان دار: ''وہ تو میں نے چیونٹیوں کو دُور رکھنے کے لیے لکھا ہے۔''

☆ تین بے وقوف آپس میں بحث کر رہے تھے۔
پہلا: ''ہمارے ملک میں کھدائی ہوئی تو زمین کے نیچے سے ٹیلیفون کے تار برآمد ہوئے اور یہ کوئی ۳۰۰ سال پرانے تھے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ٹیلیفون ہماری ایجاد ہے۔''
دوسرے بے وقوف نے کہا کہ ہمارے ہاں ۵۰۰ سال پُرانے تار نکلے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ ہماری ایجاد ہے۔
اب تیسرے بے وقوف نے کہا:
''ہمارے ہاں بھی کھدائی ہوئی تھی، لیکن کوئی تار نہیں نکلا۔''
دونوں بے وقوف ہنس پڑے، مگر تیسرے نے بات جاری رکھی:
''اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہمارے آبا وَاجداد وائرلیس اور وَائی فائی استعمال کرتے تھے۔

(ابیہا احسن۔کراچی)

☆ایک آدمی کسی گاؤں میں آیا اور لوگوں سے کہا:
''کھانا لے آؤ، ورنہ وہی سلوک تمھارے ساتھ بھی کروں گا جو پہلے والے گاؤں کے لوگوں سے کیا۔''
سب لوگ ڈر کے مارے کھانا لے آئے اور دِل میں یہ خیال بھی آیا کہ اس آدمی نے اکیلے ہی پورے گاؤں کے ساتھ ایسا کیا سلوک کیا ہو گا!؟''
آخر ایک آدمی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا:
''جناب! آپ نے پہلے گاؤں والوں کے ساتھ کیا کیا!؟''
آدمی نے جواب دیا: ''وہ لوگ کھانا نہیں دے رہے تھے تو میں وہ گاؤں چھوڑ کر اِدھر چلا آیا۔''

☆ ایک بار اَمریکا میں ہوائی جہاز موسم خراب ہونے کی وجہ سے غوطے کھانے لگا۔ جہاز کا پائلٹ پہاڑوں کے درمیان سے آڑھا ترچھا کر کے جہاز کو بچا کر اِیئر پورٹ پر لے آیا۔ اسے انعام سے نوازا گیا اور پوچھا گیا:
''ایسی مہارت اور تجربہ کہاں سے حاصل کیا؟'' وہ بولا:
''میں پہلے لاہور کی سڑکوں پر رکشا چلاتا تھا۔''

(رقیہ ریحان۔اسلام آباد)

پیغامِ عید

محمد ذیشان فرخ۔کراچی

29 رمضان کی افطاری کر کے جمیل معمول کے مطابق اپنے ابو کے ساتھ مغرب کی نماز کے لیے جا رہا تھا،لیکن دل اس کا عید کے چاند کے انتظار میں تھا۔مغرب کی نماز اُدا کرتے ہی اپنے گھر کی چھت پر چاند تلاش کرنے لگا۔جمیل اور اُس کے گھر والوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی،لیکن چاند نظر نہ آیا۔تھک ہار کے نیچے اترے تو تھوڑی ہی دیر بعد رُویت ہلال کمیٹی نے اعلان کر دیا کہ چاند نظر نہیں آیا اور عیدالفطر پرسوں ہوگی،یعنی تیس روزے ہوں گے۔

جمیل کے ابو نے جمیل کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا:

''بیٹا!اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ اس مرتبہ تیس روزے ہوں تو آپ اداسی چھوڑ کر تیسویں تراویح کی تیاری کرنی چاہیے۔''

''ارے نہیں ابو!رمضان تو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔بس عید کی جلدی ہوتی ہے کہ خوشیاں منائی جائیں۔'' جمیل نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹا!جب عید کی خوشی کی بات نکلی ہے تو کیا آپ کو معلوم ہے کہ عیدالفطر کی اصل خوشی کیا ہے اور یہ عید کیا پیغام لے کر آتی ہے؟'' ابو نے جمیل سے سوال کیا۔

''ابو! اصل خوشی اور پیغام! میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ابو! آپ بتائیں۔'' جمیل نے گڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا!عیدالفطر ہر سال ماہِ رمضان کے بعد یکم شوال کو منائی جاتی ہے اور ہمیں ایک پیغام دیتی ہے۔اس پیغام کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور اِس پیغام کی روشنی میں اپنے آپ کو سنوارنے کی ضرورت ہے۔یہ تہوار اللہ تعالیٰ کے حضور اِس رحمت اور نعمت کے شکر کا دِن ہے جس کی بدولت رمضان کا بابرکت مہینا ہمیں نصیب ہوا اور ہم نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے اس مہینے میں روزے رکھے،عبادات سرانجام دیں اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا۔ہر مسلمان جس نے رمضان کو اپنی طاقت کے مطابق اچھے طریقے سے گزارا ہے،اس کے لیے یہ نہایت خوشی کا دِن ہے۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو انعام کے طور پر یہ دن عنایت کیا ہے کہ وہ اس دن رمضان کو اچھی طرح گزارنے کی خوشی منائیں۔اس عید کا نام ''عیدالفطر'' رکھا گیا ہے۔ ''فطر'' کا مطلب ''روزہ کھولنا ہے، یعنی اس عید پر اللہ تعالیٰ نے روزے ختم کرنے کا اعلان کیا ہے اور مسلمانوں کے لیے دن میں کھانے پینے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔'' ابو نے عیدالفطر کی خوشی کا سبب بتایا۔

''ابو!اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خوشی ان لوگوں کو عطا کی ہے جو رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور اِس میں عبادات اور نیک کام کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اس رمضان میں روزے رکھے،عبادت کی اور نیک کام کیے۔'' جمیل نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''جی بیٹا! اصل میں یہ انھی لوگوں کے لیے خوشی کا دِن ہے جن لوگوں نے اپنے رب کو روزے رکھ کر اَور عبادات کر کے راضی کیا۔''

ابو نے جمیل کی تائید کرتے ہوئے اور اپنی بات کو جاری کرتے ہوئے کہا:

''بیٹا! یہ عید جہاں اس بات کی خوشی کا دِن ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے رمضان کا بابرکت مہینا پایا اور اِس میں اپنی ہمت کے مطابق عبادات کرکے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا سامان کیا، وہاں یہ عید مسلمان کو زندگی کے اعمال کا سبق بھی دیتی ہے۔ یہ عید ایک مسلمان کو یہ پیغام دیتی ہے کہ ایک مسلمان کی اصل زندگی ایسی ہی ہونی چاہیے جیسا وہ رمضان گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ عید اِس بات کی خوشی ہے کہ ہم نے رمضان کے مہینا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تربیت پائی، جو ہماری زندگی کے لیے ایک مشعل راہ ہے۔ رمضان مسلمان کے لیے تقویٰ کی تربیت کا مہینا ہے اور یہ عید اِس بات کا پیغام لاتی ہے کہ یہ تربیت حاصل کرکے مسلمان اپنا پورا سال اس تربیت کے زیرِ اثر گزارے اور فضول اور گناہ کے کاموں سے بچتا رہے، تاکہ اس کی دنیا بھی سنورے اور آخرت میں بھی اسے کامیابی حاصل ہو۔'' ابو نے عید کی خوشی کا سبب بیان کرکے اب عید کا پیغام بیان کیا۔

''ابو! واقعی! یہ تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں۔ اگر سب مسلمان اس عید کو اِس سوچ کے ساتھ منائیں تو سب بُرے کاموں کی طرف کبھی نہ جائیں۔'' جمیل نے گہری سوچ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ہر تہوار میں مسلمان کے لیے پیغام رکھا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پیغام کو سمجھیں اور اِس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالیں۔ جہاں تک عید الفطر کا تعلق ہے، اگر مسلمان یہ عید اِس نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے منائیں گے تو یقین کرو کہ وہ لوگ جنھوں نے رمضان کا مہینا ضائع کیا، نہایت شرمندگی محسوس کریں گے اور اِس بات کا عزم کریں گے کہ ہم اگلا رمضان بھرپور طریقے سے گزاریں گے، کیوں کہ اس نظریے کے اعتبار سے وہ لوگ یہ عید منانے کے اہل ہی نہیں ہیں۔ اس طرح یہ عید اُن جیسے لوگوں کے لیے احساس ندامت کا باعث بن سکتی ہے۔

لیکن بیٹا! افسوس کا مقام یہ ہے کہ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ عید کا چاند نظر آتے ہی لوگوں کا رویہ رمضان کے بالکل الٹ ہوجاتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ جیسے شیطان رمضان کے بعد آزاد ہوجاتا ہے اسی طرح مسلمان بھی رمضان کے بعد اپنے آپ کو ہر طرح کے کام کے لیے آزاد سمجھتا ہے۔ مسجدیں ویران ہوجاتی ہیں اور گناہ کے کاموں کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ کیا یہ عید ہمارے لیے دوسری اقوام کی عیدوں کی طرح صرف ایک تماشا ہے؟ کیا اس عید کا حق یہ ہے کہ جس رمضان کی عبادات کے طفیل اور اُس کے شکر کے لیے یہ عید ہمیں عنایت کی گئی ہے اسے ہم اپنے رب کی نافرمانیوں میں گزار دیں اور اپنے رب کی ناراضی کا سبب بنیں۔ اور جو کام ہم نے رمضان میں اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کے لیے سرانجام دیے ہیں، انھیں ضائع کر دیں؟ یقیناً اس عید کا یہ حق نہیں۔ اس عید کا حق یہ ہے کہ اس دن اس بات کا عزم کیا جائے کہ ہمارا آنے والا پورا سال تقویٰ کی تصویر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی خوش نودی حاصل کرنے میں بسر ہوگا۔'' ابو کا لہجہ جذباتی ہوگیا تھا۔

جمیل کے اندر ایک نیا عزم پیدا ہوگیا تھا، اپنے رب کی مسلسل اطاعت کا عزم، جو صرف رمضان کے مہینے میں نہیں، بل کہ پورے سال کے لیے تھا۔

''ابو! میں اس عید کو اِس خوشی کے ساتھ مناؤں گا کہ رمضان میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزارا اور اِس عزم کے ساتھ مناؤں گا کہ جس طرح رمضان میں گناہوں سے بچا اِس طرح پوری زندگی گناہوں سے بچنے کی کوشش کروں گا۔''

جمیل کے عزم اور اِرادے کو دیکھ کر ابو کے چہرے پر بھی خوشی دوڑ گئی اور وہ سوچنے لگے کہ کاش! مسلمان عید الفطر کے پیغام کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں تو ہمارے معاشرے سے بُرائی کا خاتمہ ہوجائے اور ہمارے بُرے اعمال کی وجہ سے ہم پر جو آفتیں آرہی ہیں، وہ ہم سے دور ہوجائیں۔

اچھے بچے

خرم فاروق ضیاء۔ ملتان

دیکھو ، ہم ہیں اچھے بچے
دل کے صاف اور مَن کے سچے

کرتے ہیں ہم بات ادب سے
پیار ہمیں ملتا ہے سب سے

سُستی سے ہم کتراتے ہیں
صبح سویرے اٹھ جاتے ہیں

ہمت ، محنت سے پڑھتے ہیں
وقت کی پابندی کرتے ہیں

سیدھے رستے پر چلتے ہیں
مولا کو راضی کرتے ہیں

بڑوں کو بے جا تنگ نہیں کرتے
ہم آپس میں جنگ نہیں کرتے

سیدھے سادے ، بھولے بھالے
سب کی عزت کرنے والے

نہ کوئی جھڑکے ، نہ کوئی مارے
ہم سب کی آنکھوں کے تارے

سواری کے آداب

سعد علی چھیپا۔ کراچی

پیارے بچو! آپ کو معلوم ہے کہ سواری اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہم سواری کے ذریعے کتنی جلدی اور آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ اگر اِس فاصلے کے لیے ہمیں چل کر جانا پڑے تو بہت پریشانی ہوگی۔

پیارے بچو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی شکر گزاری ہمیں رسول اللہ ﷺ نے طریقہ بتایا ہے، اس کے لیے ہم آپ کو سواری کے آداب بتاتے ہیں، تاکہ ہم اپنے پیارے اللہ تعالیٰ کا شکر اپنے نبی ﷺ کے طریقے سے ادا کریں اور دِین و دُنیا کی کام یابی حاصل کریں۔

١ جب سواری پر سوار ہونے لگیں تو بسم اللہ کہیں۔

٢ جب سواری پر بیٹھ جائیں تو الحمد للہ کہیں اور پھر یہ دعا پڑھیں: سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔

٣ اس کے بعد تین مرتبہ الحمد للہ اور تین مرتبہ اللہ اکبر پڑھیں۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھیں:

سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ (سنن ابی داود، الجهاد، باب مایقول الرجل اذا رکب، الرقم: ٢٦٠٢)

٤ اگر ہم ابو، امی کے ساتھ ہیں تو وہ جہاں کہیں وہیں بیٹھ جائیں۔ اگر اِسکول کی وین میں ہوں تو اپنی جگہ پر ہی بیٹھیں، دوسروں کی جگہ پر نہ بیٹھیں۔ یہ بہت بُری بات ہے کہ دوسری کی جگہ پر بیٹھ کر اُنھیں تنگ کیا جائے۔ اچھے بچے ایسا بالکل نہیں کرتے۔

٥ سیٹوں پر جوتے پہنے ہوئے پاؤں نہ رکھیں، اس سے سیٹیں خراب ہو جاتی ہیں اور دُوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ ایسا بالکل نہیں کرنا چاہیے۔

٦ سواری کو صاف ستھرا رکھنے کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی چیز کھائیں تو اُس کا کچرا یا چھلکے وغیرہ گاڑی میں نہیں پھینکنے چاہییں۔ یہ بہت بُری بات ہے، بل کہ اسے اپنی جیب میں رکھ لیں یا کسی تھیلی وغیرہ میں رکھ لیں، پھر کسی کوڑے دان میں ڈال دیں۔ گاڑی سے باہر بھی نہیں پھینکنا چاہیے، اس سے راستہ گندا ہو جاتا ہے۔

٧ جب سواری میں بیٹھنے لگیں تو دُوسروں کو دھکا نہ دیں اور نہ ہی جلد بازی کریں۔ آرام سے قطار میں کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کریں۔ اسی طرح اترتے وقت بھی پہلے ان لوگوں کو اُترنے دیں جو دَروازے کے قریب ہوں، تاکہ سب کو آسانی ہو۔

٨ بس یا وین میں زور زور سے باتیں کر کے چیخنا چلانا ہیں، ہنسی مذاق کر کے دوسروں کو تنگ کرنا، یہ اچھی بات نہیں۔ سواری میں سکون اور اِطمینان سے بیٹھنا چاہیے، تاکہ دوسروں کو پریشانی نہ ہو۔

٩ اگر کوئی بزرگ یا چھوٹا بچہ سواری میں چڑھ رہا ہو تو اُس کی مدد کریں، اس کا ہاتھ پکڑ کر سہارا دیں اور اپنی جگہ انھیں دینے کا جذبہ رکھیں۔

١٠ بعض بچے گاڑی میں بیٹھ کر ڈرائیور اَنکل کو بار بار باتوں میں لگاتے ہیں، ان کی سیٹ کے پیچھے سے جھانکتے ہیں۔ یہ بہت خطرناک بات ہے! ڈرائیور انکل کو پورا دِھیان سڑک پر رکھنا ہوتا ہے، اس لیے انھیں تنگ نہ کریں۔

١١ سفر مکمل ہونے پر اور منزل پر پہنچنے کے بعد ''الحمد للہ'' ضرور کہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حفاظت سے پہنچایا۔

(ماخوذ اَز: اسلامی آداب)

اُلجھن

فرحی نعیم۔ کراچی

نام تو اُس کا مدبر تھا، جو دَادا جی نے بڑی محبت سے رکھا تھا۔ یہ نام ان کے مرحوم بھائی کا تھا، جو اُس کی پیدائش سے دو ماہ پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ دادا جی کو اپنے بڑے بھائی سے بہت محبت تھی، ساری زندگی ساتھ ساتھ رہے۔ حد تو یہ کہ بڑھاپے میں آ کر بھی دونوں بھائیوں نے ایک ہی محلے میں رہائش رکھی تھی۔ دادا جی کہتے تھے کہ ہمیں تو صرف موت ہی جدا کرے گی اور وہی ہوا۔ بڑے بھائی کے جانے کے بعد دَادا جی اداس رہتے، لیکن جب مدبر دُنیا میں آیا تو جیسے دادا جی کو اپنے آپ کو بہلانے کا بہانہ مل گیا۔ وہ امی اور بہن بھائیوں کے پاس کم اور دَادا جی کے پاس زیادہ رہتا۔ اس کی تعلیم و تربیت میں دادا جی کا بھرپور حصہ تھا۔

چوں کہ وہ گھر بھر میں سب سے چھوٹا تھا، اس لیے بڑے بھائی بہن اسے چھوٹو کہتے۔ وہ جتنا صورت کا پیارا تھا اس سے بڑھ کر سیرت میں، عادتوں اور اَخلاق، سب میں دادا جی کا پرتو تھا۔

☆

ابو اور چچا جان ساتھ رہتے تھے، لہٰذا دونوں کا کاروبار بھی مشترک تھا۔ ابو اور چچا جان کا جنرل اسٹور تھا۔ اسٹور کے تین کاؤنٹر تھے۔ اگرچہ دکان ابو اور چچا ہی کے زیر نگرانی تھی اور دونوں ہی گاہکوں کو دیکھتے تھے، لیکن انھوں نے مدد کے لیے ایک ملازم لڑکا بھی رکھا ہوا تھا۔ دکان کے ایک حصے میں مسالا جات اور دَال، چاول وغیرہ اشیا تھیں، ایک حصہ دواؤں کا مخصوص تھا، تیسرا اَور سب سے دل چسپ حصہ وہ تھا جہاں مدبر عرف چھوٹو اور اُس سے دو سال بڑا، اس کا چچا زاد بھائی حسن کھڑے ہوتے اور جس کے لیے ان دونوں کی عموماً ہلکی پھلکی جھڑپ بھی رہتی، وہ حصہ تھا جہاں ٹھنڈی بوتلیں، جوس، آئس کریم، چاکلیٹ اور ٹافیاں ہوتیں۔

چھوٹو اور حسن ہفتہ واری اسکول کی چھٹی اور گرمی سردی کی چھٹیوں میں ہی دکان جاتے اور مزے اڑاتے۔ دکان گھر سے قریب تھی، یوں انھیں آنے جانے میں کوئی مسئلہ نہ تھا۔ ویسے بھی ابو جان چچا جان اور اُن دونوں کے بڑے بھائی ہی دکان سنبھالتے۔

☆

گرمیوں کی چھٹیاں چل رہی تھیں اور یہ دونوں بھی شوق اور پابندی سے دکان جا رہے تھے، وجہ وہی تھی کہ وہاں ان دونوں کی دل چسپی اور لذت کا سامان جو تھا۔

مغرب کی نماز سے واپسی پر وہ دادا جان کے ساتھ گھر آ رہا تھا، چہرے پر اُلجھن صاف دیکھی جاسکتی تھی۔

''کیا بات ہے میاں مدبر!؟ کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟'' دادا جان نے ساتھ چلتے مدبر سے سوال کیا۔ وہ ہمیشہ محبت سے اس کا نام لیتے تھے۔

''ایک بات مجھے کئی دنوں سے پریشان کر رہی ہے۔''

''کون سی بات میاں!؟''

''دادا جی! اصغر (دکان کا ملازم لڑکا) کو گاہک بہت پسند کرتے ہیں۔ جو گاہک بھی خریداری کرنے آتا ہے وہ اصغر سے سودا لینا پسند کرتا ہے۔''

''تو اِس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ وہ گاہکوں سے اچھی طرح جو بات کرتا ہے۔'' دادا جی، اصغر کو خوب جانتے تھے۔ دونوں نے گلی کا موڑ کاٹا تو دَادا جی نے جھک کر ایک پتھر اُٹھا کر دِیوار کے ساتھ رکھا۔

''ارے، آپ نے کیوں اٹھایا؟ مجھے کہتے، میں کنارے پر ڈال دیتا۔'' چھوٹو میاں شرمندگی سے کہہ رہے تھے۔

''مدبر میاں! یہ کام کہنے کے نہیں، احساس کے ہیں۔ اب دیکھو، صبح سے کتنے ہی لوگ یہاں سے گزرے ہوں گے۔ کچھ کا پیر بھی اس سے ٹکرایا ہوگا، لیکن یہ کسی نے نہیں سوچا کہ اسے راستے سے ہٹادے۔''

''جی، دادا جی! آپ نے ایک مرتبہ کہا تھا: راستے سے پتھر ہٹانا بھی نیکی ہے۔''

''بہت خوب! تمھیں یاد ہے۔'' دادا جی خوش ہوئے۔'' اچھا، تمھاری بات تو رہ گئی، تم اصغر کا ذِکر کر رہے تھے۔''

''جی، دادا جی! گاہکوں سے تو میں اور حسن بھی بہت اچھی طرح بات کرتے ہیں، ناصر بھائی اور قاسم بھائی بھی، لیکن نہ جانے کیوں، پھر بھی سب......'' وہ پھر رُک گیا۔

''بیٹے! نرم الفاظ، شیریں لہجہ اور مسکراتا چہرہ ہر ایک کو متاثر کرتا ہے۔ آج کل ہر کوئی پریشان، بے زار اور اُلجھا ہوا رہتا ہے، ایسے میں جب کوئی نرمی سے پیش آئے تو لوگوں کو یہ کچھ نیا لگتا ہے۔''

وہ دونوں اب گھر آ چکے تھے اور اُن کے ساتھ اب حسن بھی صحن میں رکھی کرسیوں پر بیٹھا بات سن رہا تھا۔

''تو نرمی سے تو میں بھی بات کرتا ہوں، بل کہ اصغر سے زیادہ کل میں نے آنے والے گاہکوں سے ہنس ہنس کر بات کی، لیکن......'' حسن جو اَب ان دونوں کی گفتگو میں شامل ہو چکا تھا کہہ رہا تھا، لیکن پھر بھی سب اسی کے گرویدہ رہتے ہیں، ہونہہ۔'' یہ کہنے کے ساتھ اس نے پیر بھی پٹخا۔

''جی، یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' مدبر نے تائید کی۔

''زبردستی کی مسکراہٹ سجا سجا کر تو میں تھک جاتا ہوں، بل کہ چھوٹو! کل ایک لڑکے نے کتنا تنگ کیا تھا، کبھی کچھ مانگتا، پھر کہتا: یہ نہیں یہ چاہیے، پھر جب میں نے اس کا سارا سامان تھیلے میں بھر دیا تو کہا کہ اب یہ تین چیزیں نکال دو اور دُوسری دو رکھو، اس کے باوجود میں نے اپنے غصے پر بمشکل قابو رکھا اور تو اور، جب بل بنا کر دیا تو کہنے لگا: میرے پاس تو اتنی رقم نہیں۔ میرا تو دل چاہا کہ اسے دکان سے......'' حسن کہتے کہتے دادا جی کے لحاظ میں خاموش ہوگیا، لیکن اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔

''بس تمھاری اس بات میں ہی تم دونوں کی پریشانی کا حل موجود ہے۔''

''جی کیا مطلب!؟'' دونوں یک زبان ہو کر بولے۔

''ہاں بیٹے! زبان کی نرمی، لہجے کی شگفتگی، چہرے کی مسکراہٹ، یہ سب اپنا اثر جب رکھتے ہیں جب دل میں خلوص ہو، سچائی ہو۔'' دادا جی اب اپنی کرسی سے کھڑے ہو گئے تھے۔'' تم دونوں اب اس طرز پر سوچو اور پھر اَصغر اور اَپنے رویے کا تجزیہ کرو۔ صرف چہرے کی مسکراہٹ اور نرمی کام نہیں کرے گی، جب تک اس میں اخلاص کی چاشنی نہ ہو۔'' دادا جی اندر چلے گئے تھے اور ان دونوں کو ایک نئی بات سمجھا گئے تھے۔ انھیں اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔

نئے لکھاری

سچی خوشی

علی فیصل۔کراچی

اسکول کی چھٹی ہوتے ہی جماعت کے اوباش اور شریر لڑکے آج پھر عادل کے پیچھے پیچھے ”لنگڑوٹ لنگڑوٹ!“ کی آوازیں کستے چل پڑے۔ یہ ان اوباش لڑکوں کا ہر دُوسرے تیسرے دن کا معمول تھا۔ یہ تین لڑکوں کا گروہ پرویز، زید اور جمیل پر مشتمل تھا، جن کا کام بس جماعت کے دوسرے بچوں کا مذاق اُڑانا اور اُن پر آوازیں کسنا تھا۔ ان لڑکوں کو پڑھائی لکھائی سے کوئی سروکار نہ تھا، بل کہ ان کا دِل نت نئی شرارتوں اور تفریح میں زیادہ لگتا تھا۔ یہ سب آٹھویں جماعت کے طالب علم تھے۔

عادل جب چار، پانچ سال کا بچہ تھا تو اُس وقت سیڑھیوں سے اترتے ہوئے اس کا دایاں پیر پھسل گیا تھا، جس کے نتیجے میں اس کے ٹخنے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور بروقت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے ہڈی درست نہیں جڑ پائی تھی۔ جب پلاسٹر کھلا تو پتا چلا کہ ہڈی ٹیڑھی جڑی ہے اور عادل آئندہ تھوڑا لنگڑا کر ہی چل پائے گا۔

عادل کے والد ایک ادارے میں کلرک تھے اور اُن کی آمدنی کے وسائل بھی محدود تھے۔ اس وجہ سے وہ عادل کے مہنگے ہسپتال میں آپریشن کا خرچہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ ویسے بھی ایک چھوٹے سے قصبے میں ہسپتال کی سہولیات کچھ معمولی نوعیت کی ہی ہوسکتی ہیں۔

ایک درمیانے طبقے سے تعلق ہونے اور کم وسائل کے باوجود عادل ایک دین دار، تمیز دار اور محنتی لڑکا تھا۔ اسے پڑھائی کے ساتھ ساتھ کہانیاں اور نظمیں پڑھنے اور لکھنے کا بھی شوق تھا۔

اس کی کہانیاں اور نظمیں مختلف رسائل میں چھپتی بھی رہتی تھیں۔ انھی عمدہ اوصاف کی وجہ سے اسکول کے اساتذۂ کرام عادل کو نہ صرف بہت پسند کرتے تھے، بل کہ اس کی ہمیشہ حوصلہ افزائی بھی کیا کرتے تھے۔ چند شرارتی اور حاسد لڑکوں کے سوا تمام جماعت کے طلبہ بھی عادل کے اچھے دوست تھے۔

آج بھی اردو کے استاد صاحب نے عادل کے لکھے گئے مضمون کی خوب تعریف کی اور پرویز، زید اور جمیل کو بھی عادل کی مثال دیتے ہوئے بولے کہ تم تینوں کو بھی عادل کی طرح دل لگا کر پڑھائی میں دل چسپی لینے اور محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

بس یہ سننا تھا کہ تینوں لڑکوں کے تن بدن میں جیسے آگ سی لگ گئی اور اُنھیں اپنی بے عزتی محسوس ہوئی۔ اب اسکول کی چھٹی کے بعد تینوں لڑکے عادل کے پیچھے پیچھے آوازیں کستے چل پڑے۔ عادل ان کی بدتمیزی کا کوئی جواب نہ دیتا، بل کہ خاموشی سے اپنے راستے پر چلتا رہتا، لیکن اسے ان کی اس حرکت پر بہت تکلیف اور دُکھ ہوتا۔

اسی طرح وقت گزرتا رہا اور سالانہ امتحان کے نتائج میں عادل اپنی جماعت میں اول آیا۔ اب یہ طلبہ آٹھویں سے نویں جماعت میں پہنچ گئے۔ نویں جماعت میں ایک مقابلہ مضمون نویسی کا انعقاد کیا گیا، جس کا عنوان تھا: ”معذور لوگوں کے ساتھ ہمارا سلوک اور

برتاؤ‘‘ اس مقابلے میں ملک کے تمام اسکولوں نے حصہ لیا تھا۔

مقابلے کے نتائج کا جب اعلان ہوا تو عادل کے مضمون کو اوّل قرار دیا گیا۔ عادل نے اپنے اس مضمون میں معذوروں کے بنیادی حقوق، ان کے ساتھ خصوصی توجہ، ہمدردی، سرکاری اور نجی سطح پر ملازمتوں میں مختص کوٹے پر عمل درآمد کرانا، انھیں مختلف ہنر سکھانے والے اداروں میں کم فیسوں پر داخلہ دینا اور اُن کے لیے خصوصی بس سروس شروع کرنے پر نہ صرف زور دیا گیا تھا، بل کہ اس حوالے سے بہت اچھی اور قابلِ عمل تجاویز بھی دی گئی تھیں۔ عادل کو منعقد تقریب میں نقد اِنعام اور سند سے نوازا گیا۔

عادل کے اس مضمون کی شہرت اور اِطلاع ملک کے ایک وزیر تک بھی پہنچی اور ایک دردمند دل کی وجہ سے انھیں بہت خوشی اور اِحساس ہوا کہ ہمیں ملکِ عزیز کی ایک بڑی تعداد کے معذوروں کے لیے ان بہتر، عمدہ اور لائقِ عمل تجاویز پر فوری عملی اقدامات کرنے چاہییں، تاکہ ہم ان لوگوں کو ملک کا مفید، باعزت اور خود اِنحصار شہری بنا سکیں اور اِنھیں کسی کے سامنے اپنا دستِ سوال دراز کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

کچھ عرصے بعد اِن تجاویز پر حکومتی سطح پر عملی اقدامات کیے گئے اور پھر ایک دن جب معذوروں کے لیے بس سروس کے افتتاح کا دن تھا تو وزیر صاحب کے بالکل ساتھ ہی ایک دبلا پتلا سا لڑکا بھی کھڑا تھا، جس کا نام عادل تھا۔

محترم وزیر صاحب نے جب عادل کو تھوڑا لنگڑا کر چلتے ہوئے دیکھا تو اپنے ماتحت کو فوری حکم دیا کہ اس بچے کا سرکاری طور پر علاج کیا جائے۔

ٹھیک ایک ماہ بعد عادل کا ایک بڑے ہسپتال میں دوبارہ آپریشن کیا گیا، جو کامیاب رہا اور دو ہفتوں بعد عادل اپنے گھر آیا تو یہ دیکھ کر اُسے حیران کن حیرت ہوئی کہ اس کے اساتذۂ کرام اور ہم جماعت اس کے استقبال کے لیے ہار لیے کھڑے ہیں۔ اس عزت افزائی پر بے اختیار عادل کے منہ سے ’’الحمدللہ!‘‘ نکلا اور آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

ایک ڈیڑھ ماہ بعد اَب عادل دوبارہ اسکول جانے کے قابل ہو چکا تھا۔ ایک روز جب اسکول کی چھٹی کے بعد عادل سائیکل پر اپنے گھر جا رہا تھا کہ اسے پیچھے سے کسی گاڑی کے زور سے بریکیں لگانے کی آواز سنائی دی۔ عادل نے جب مڑ کر دیکھا تو اُسے بہت سے لوگ ایک سفید گاڑی کے پاس جمع نظر آئے۔ کوئی حادثہ ہوا تھا۔ عادل نے قریب جا کر جب دیکھا تو موٹر سائیکل پر سوار تین لڑکے پرویز، زید اور جمیل ہی تھے۔ تینوں زمین پر گرے ہوئے تھے۔ انھیں گہری چوٹیں آئی تھیں اور وہ کراہ رہے تھے۔ گاڑی میں موجود صاحب بھی پریشان کھڑے تھے۔ بقول ان کے تینوں بچے موٹر سائیکل پر سوار تھے اور لہراتے ہوئے اچانک ان کی موٹر سائیکل گاڑی سے ٹکرائی اور یہ حادثہ ہو گیا۔

جلد ہی ان تینوں کو گاڑی میں ڈال کر قریبی ہسپتال لے جایا گیا۔ جمیل کے ماتھے پر گہری چوٹ کی وجہ سے ٹانکے آئے اور زید کی کہنی کی ہڈی ٹوٹنے کی وجہ سے دو ہفتوں کے لیے پلستر کرنا پڑا اور پرویز کی ٹانگ پر بھی گہری چوٹوں کی وجہ سے پٹی وغیرہ کی گئی۔ عادل کے معذوروں کے لیے مضمون لکھنے اور حکومتی اقدامات کے بعد اب قصبے کے ہسپتال میں علاج معالجے کی سہولیات بہتر ہو چکی تھیں اور تینوں لڑکوں کا وہیں علاج ہو گیا۔ عادل ان تینوں کی خیریت پوچھنے کے لیے برابر ہسپتال جاتا اور اُن کے لیے کھانے پینے کی چیزیں بھی لے جاتا۔ ڈیڑھ، دو ہفتے بعد جب زید، پرویز اور جمیل اسکول پہنچے تو اب وہ یک سر بدل چکے تھے۔

عادل کی ہی تیمارداری اور کوششوں کی بدولت ان کا بہتر علاج ہوا تھا اور اُنھیں اس دوران میں عادل کے ساتھ اپنے غلط رویے کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ انھوں نے ہسپتال میں ہی عادل سے اپنے غلط رویوں کی معافی مانگی تھی اور آئندہ اپنی تکلیف دہ شرارتوں سے سچی توبہ کی تھی۔

اب وہ تینوں اور عادل کے سب ہم جماعت بہت اچھے

دوست بن چکے تھے اور اپنے علاقے میں معذوروں کے مسائل کے حل اور اُن کی بہبود کے لیے ایک فلاحی ادارہ بنا کر اُن کی خدمت کے لیے بھی کوشاں تھے۔ انھیں اس خدمت سے جو دِلی سکون، خوشی اور راحت حاصل ہوئی تھی وہ ان کے دل ہی جانتے تھے۔
بے شک اب وہ صدقہ جاریہ اور سچی خوشی کا رَاز پا چکے تھے۔

کتاب

سدرہ افضل۔ دیپال پور

رات بیتی جا رہی تھی اور اَبھی تک اسے اپنا مقصود حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ کئی دنوں سے وہ ایسی کتاب کی تلاش میں تھا، جس سے مضمون لکھنا، جملہ سازی کرنا سیکھا جائے، پَر کبھی ایک کتاب اٹھاتا تو کبھی دوسری، کچھ دیر پڑھتا، پھر رکھ دیتا۔
اس دوران میں اسے اپنے اردگرد ہلچل سی محسوس ہوئی، دائیں بائیں دیکھنے پر کچھ نظر نہیں آیا تو پھر پڑھنے میں لگ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کسی کے بولنے کی آواز آئی۔ وہ خوف زدہ ہو گیا کہ اس کے اردگرد کوئی ذی روح نہیں تھا۔
اچانک اس کی نظر اُوپر الماری میں رکھی کتابوں پر پڑی، کتابیں آپس میں محوِ گفتگو تھیں۔
پہلے تو وہ یہ منظر دیکھ کر خوف زدہ ہوا، پھر تجسس کے مارے ان کی باتیں سننے لگا۔
''جدیدیت کے دور میں لوگ ہم سے دور ہوتے جا رہے ہیں، موبائل فون کی لت لگ چکی ہے، ہماری اہمیت ہی نہیں رہی، بس خریدا اور سجا کر رکھ دیا، کیا اب سے پہلے بھی ایسا ہوتا تھا؟'' نک چڑھی سی کتاب، جو اُس کے ابا کچھ دن پہلے لائے تھے، پوچھ رہی تھی۔
''بیٹا! کتاب کے شائقین ہر دور میں ہر جگہ موجود رہے ہیں، ہمارے ملک میں کتاب پڑھنے والوں کی تعداد سب سے کم ہے۔ میرے سامنے اس وقت ایک سروے ہے، جو 2018 میں کیا گیا تھا۔ اس سروے کے مطابق پاکستان میں اپنے نصاب کی کتابوں کے علاوہ پڑھنے والوں کی تعداد صرف 9 فی صد ہے۔ 75 فی صد اَفراد ایسے ہیں جن کا اپنی نصابی یا دَرسی کتاب کے علاوہ کسی اور کتاب سے کوئی تعلق نہیں، یعنی انھوں نے سرے سے کوئی کتاب پڑھی ہی نہیں۔ ایک اور تجزیے کے مطابق پاکستان میں کتاب کلچر ختم ہوتا جا رہا ہے۔'' بڑی بی کی حیثیت رکھنے والی کتاب بولی۔
''ہمیں صرف سجانے والے ہمارے جذبات کیا جانیں، انھیں کیا معلوم کتاب کیسے لکھی جاتی ہے؟ پہلے جملہ سازی کی اینٹ رکھی جاتی ہے، پھر مضمون کی دیوار کھڑی ہوتی ہے، کئی مضمون مل کر کتاب کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ لکھنے والے سر دَھڑ کی بازی لگاتے ہیں، لکھنے کے اصول سیکھتے ہیں۔ کیا، کیوں، لیکن، چوں کہ، تاکہ، جیسے الفاظ بکثرت لکھنے پر قابو پاتے ہیں تو پھر ہمارا وُجود ہوتا ہے۔'' یہ دکھ بھری آواز کتاب آبِ حیات کی تھی۔

''مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دِل ہوتا ہے سی پارہ

(علامہ اقبال)

اس شعر سے لگتا ہے کہ زوال کا سفر بہت پہلے شروع ہو گیا تھا۔''
ایک اور آواز اُبھری۔
''تازہ ترین معلومات میسر نہیں، تاہم گزشتہ برسوں کے اعداد و شمار پر اِنحصار کرتے ہوئے دیکھا جائے تو سب سے زیادہ کتب (تین لاکھ) امریکا میں چھپ رہی ہیں۔ برطانیہ میں دو لاکھ سے زائد سالانہ کتب چھپتی ہیں۔ ایران میں بھی خاصی بڑی تعداد میں غیر نصابی کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ یہ تعداد ڈیڑھ لاکھ کتب سالانہ ہے۔ پاکستان کے اعداد و شمار، پانچ ہزار بتائے گئے ہیں۔ ترکی میں ایک لاکھ سالانہ سے زائد کتب شائع ہو رہی ہیں۔ سعودی عرب میں ادب عالیہ یا ادب لطیف کی کتب کی تعداد ہم سے بھی کم ہے۔'' غبارِ خاطر تھکن زدہ لہجے میں بولی۔
''ہم سب مل کر اِحتجاج کریں گی کہ کتاب کو مرنے نہ دو۔ کیا

ہوا جو ہم دیکھ نہیں سکتیں۔ ہم احتجاج کریں گی، ہم احتجاج کریں گی۔"
سب کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور اُس نے شور سے بچنے کے لیے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ اتنے میں امی کی آواز آنے پر وہ چونکا اور اِردگرد دیکھنے لگا۔

الماری کی کتابیں تو خاموش تھیں۔ اس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ حقیقت میں اس کے سامنے کتابوں نے شکوہ کیا یا اس نے کوئی خواب دیکھا ہے۔

اس نے کتابوں کی تمام شکایتیں اپنی ڈائری میں محفوظ کیں اور اُن کا سدباب تلاش کرنے لگا۔

السلام علیکم

فرح مظہر۔ سرگودھا

حسن السلام علیکم کہتا ہوا اپنی اسکول وین میں سوار ہوا۔ افنان اور ڈرائیور انکل نے بلند آواز میں جواب دیا۔

یہ حسن کا روز کا معمول تھا کہ جب بھی اسکول وین میں سوار ہوتا بآواز بلند "السلام علیکم" کہتا، جس کا جواب ڈرائیور اور چند بچے ہی دیتے۔

باقی بچے روز کا معمول سمجھ کر نظر اَنداز کر دیتے۔

جب کہ احمد کو حسن کی اس عادت سے ایک چڑ سی محسوس ہوتی۔ وہ سمجھتا تھا کہ حسن رعب جھاڑنے کے لیے اور دُوسروں پر اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لیے روزانہ سلام کرتا ہے، تا کہ سب کی نظروں میں اچھا بن سکے اور لوگ اس کی تعریف کریں۔

......☆......

آج گاؤں سے داداجان آرہے تھے۔ سب بچوں کو دَاداجان سے خاص لگاؤ تھا، جس کی وجہ سے سب صبح سے تیار ہو کر دَاداجان کا انتظار کر رہے تھے۔ احمد اور سمیع گھر کے صحن میں ٹہل رہے تھے۔ ان کی نظر بار بار دَروازے کی طرف اٹھ رہی تھی۔

اچانک دروازے سے السلام علیکم کی بلند آواز گونجی۔

داداجان سلام کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ سلام کی آواز سب نے سنی، لیکن احمد نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ داداجان سب کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے، پھر سب کو باری باری گلے لگا کر پیار کیا، لیکن احمد کی طرف وہ خاص نظروں سے دیکھ رہے تھے، پھر اُنھوں نے احمد کو اپنے پاس بلا کر پوچھا:

"احمد بیٹا! میں نے گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کیا تھا، آپ نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ کیوں؟"

احمد نے جلدی سے جواب دیا:

"داداجان میرا دِھیان نہیں رہتا۔ میرا ہم جماعت حسن بھی وین میں بیٹھتے ہوئے سلام کرتا ہے، وہ بھی مجھے پسند نہیں ہے۔"

داداجان: "بُری بات، ایسا نہیں سوچتے۔ سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا نبی پاک ﷺ کی سنت ہے۔ حسن تو ثواب کماتا ہے اور تم ثواب سے محروم ہو جاتے ہو۔"

یہ سن کر اَحمد نے حیرانی سے پوچھا:

"ثواب! وہ کیسے؟"

داداجان نے کہا:

"مکمل سلام کرنے والے کو تیس نیکیاں ملتی ہیں، یعنی جتنا زیادہ سلام اتنی زیادہ نیکیاں۔

حدیث کا مفہوم ہے:

"سلام کو عام کرو۔"

سلام میں پہل کرنے والے کو جواب دینے والے سے زیادہ ثواب ہے۔

حیاتِ طیبہ ﷺ کا ہر ہر عمل اور سنت ایک الگ حیثیت اور مقام رکھتا ہے۔ سلام کا بھی ایک خاص مقام ہے۔"

یہ سن کر اَحمد نے اپنے گزشتہ عمل سے توبہ کی اور دَاداجان سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ سلام میں پہل کرے گا اور سلام کا جواب ضرور دے گا، خاص کر حسن کے سلام کا۔

البدر البرکہ اسکول کے لکھاری

بُری عادت

نام: عبدالصمد۔ جماعت: ششم۔ سیکشن: A۔
شاخ: حفاظ (1)، البدر البرکہ اسکول

شارق کی عمر دس سال تھی اور وہ جماعت پنجم میں پڑھتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ ہر کسی سے مذاق مذاق میں جھوٹ بولتا۔ وہ جھوٹ بول کر دِل ہی دل میں خوشی محسوس کرتا۔

ایک مرتبہ اس کا دوست سلیم نیا قلم لے کر آیا تو اُس کا قلم جماعت میں کہیں کھو گیا۔ وہ اپنا قلم تلاش کرتے ہوئے شارق کے پاس آیا اور اُس سے پوچھا:

''شارق! تم نے میرا نیا قلم کہیں دیکھا؟''

''ہاں، وہ سفیان کے بستے میں مجھے نظر آیا تھا۔'' شارق نے جھٹ سے جواب دیا۔

سلیم فوراً سفیان کے بستے کی طرف لپکا اور اُس کی تلاشی لینے لگا، اتنے میں سفیان بھی آ گیا۔ اس نے سلیم کو اپنا بستہ چیک کرتے دیکھا تو اُن دونوں کی آپس میں لڑائی ہو گئی۔ بات استاد صاحب تک پہنچی۔ استاد صاحب نے آ کر تحقیق کی تو پتا چلا کہ شارق نے جھوٹ بولا تھا۔ استاد صاحب نے شارق کو تنبیہ کی، جس کی وجہ سے اسے اسکول میں شرمندہ بھی ہونا پڑا۔

کچھ دنوں تک تو شارق پر تنبیہ کا اثر رہا، مگر آہستہ آہستہ دوبارہ اس کی پرانی عادت نے انگڑائی لینی شروع کی۔ ہوا کچھ یوں کہ اتوار کا دن تھا اور اُس کی امی نے کپڑے دھو کر چھت پر سوکھنے کے لیے ڈالے تھے، دوپہر کے وقت آسمان پر ہلکے پھلکے بادل چھائے ہوئے تھے اور کچھ بارش کا موسم بھی تھا۔ شارق ہڑبڑایا ہوا بھاگتا بھاگتا امی کے پاس اور چلاتے ہوئے کہنے لگا:

''امی! امی! باہر بہت تیز بارش شروع ہو گئی ہے۔''

اس کی امی نے یہ سنتے ہی سارا کام چھوڑا اور فوراً چھت کی طرف گئیں، تاکہ دھلے ہوئے کپڑوں کو بارش سے بچانے کے لیے اتار کر لے آئیں، مگر اُوپر پہنچ کر کیا دیکھتی ہیں کہ وہاں تو بارش کا کوئی نام ونشان ہی نہیں ہے۔ واپس نیچے آئیں تو دیکھا کہ شارم انھیں دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

اس کی امی نے پہلے تو اُسے خوب ڈانٹا اور پھر اُسے پیار سے سمجھایا کہ جھوٹ بولنے والے بچوں کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا، اپنی اس بُری عادت کو چھوڑ دو، لیکن شارق پر اِن باتوں کا کچھ خاص اثر نہ ہوا اور وہ اپنی اس عادت سے باز نہ آیا۔

اس واقعے کو ابھی چند دِن ہی گزرے تھے کہ ایک روز شارق چھت سے اپنی سائیکل لے کر اُتر رہا تھا کہ سیڑھیوں پر وہ گر پڑا اور سائیکل کا لوہا اس کے پاؤں میں لگنے سے اس کے پاؤں سے خون بھی نکلنے لگا۔ اس نے اپنی امی کو آواز دِی، لیکن اس کی امی نے یہ سوچ کر یہ دوبارہ اپنی عادت کے مطابق جھوٹ بول رہا ہوگا، اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ آہستہ آہستہ دیوار کو پکڑ کر چلتا ہوا کمرے میں پہنچا تو اُس کی امی نے دیکھا کہ واقعی اس کے پاؤں سے خون نکل رہا تھا اور دَرد کی وجہ سے وہ بمشکل ہی چل پا رہا تھا۔ اس کی امی فوراً اُٹھیں اور اُس کی مرہم پٹی کی۔

پھر اُسے ساتھ بٹھا کر پیار سے سمجھایا کہ ''بیٹا! جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہے اور مذاق میں بھی کبھی کسی سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے، ورنہ لوگ کبھی بھی آپ کی بات کا اعتبار نہیں کریں گے، نہ ہی مشکل وقت میں پھر کوئی آپ کا ساتھ دے گا۔''

اس دن شارق کو اپنی بُری عادت پر بہترین سبق مل چکا تھا۔ اس نے آئندہ ہمیشہ کے لیے جھوٹ بولنے سے توبہ کی اور اپنی امی سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی مذاق میں بھی کسی سے جھوٹ نہیں بولے گا۔

فروری کا شمارہ لاجواب تھا۔ ہر نظم اور کہانی اچھی تھی۔ ”خط جو آپ کا ملا“ میں اپنا خط بہت تلاش کیا، مگر ملا ہی نہیں۔ انکل! آپ سے ایک شکایت کرنی تھی کہ اب ”ذوق و شوق“ میں جاسوسی کہانیاں نہیں آتیں۔

(محمد حمزہ اویس۔ کراچی)

☆ تو اٹھایئے قلم اور بسم اللہ کیجیے!

فروری کا رسالہ حسبِ معمول جلد ہی مل گیا۔ سب سے پہلے ”پیغامِ الٰہی“ اور ”پیغامِ نبوی“، دونوں ہی پر عمل کرنے کی نیت کر لی۔ اس کے بعد ”علیک سلیک“ سے چھلانگ لگا کر ہم ”سیرت کہانی“ پر پہنچے، جہاں ہمیں حفاظ کی اہمیت سمجھ میں آئی۔ اس کے بعد ”بلاعنوان“ کی طرف بڑھے، جہاں ہمیں بُری عادتوں کو چھوڑ کر اچھی عادتیں اپنانے کو کہا گیا۔ اس رسالے میں ”سوال آدھا، جواب آدھا“ کافی مشکل تھا، لیکن پھر بھی ہم نے حل کر لیا۔ ”صادق کون؟“ والی کہانی کا بہت زیادہ انتظار رہتا ہے۔ باقی رسالے کی تمام کہانیاں بہت اعلیٰ اور شان دار تھیں۔ تمام نظموں میں سب سے اعلیٰ شانِ عثمان رضی اللہ عنہ تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسی حیا عطا فرمائے۔ جنوری ۲۱ تاریخ کو ہماری پھوپھی اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ تمام قارئین سے گزارش ہے کہ انھیں ضرور کچھ نہ کچھ پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں۔ میں آپ سب کی شکر گزار رہوں گی۔

(سکینہ ہاشمی۔ کراچی)

☆ اللہ تعالیٰ آپ کی پھوپھی صاحبہ کی آخرت کی تمام کٹھنائیاں آسان فرمائے اور مغفرت فرمائے۔

طویل عرصے بعد فروری کے شمارے پر تبصرہ لیے اس بزم میں حاضر ہوا ہوں۔ ”علیک سلیک“ میں بچوں کو دِل چسپ ایمانی کھیل کی طرف متوجہ کیا گیا۔ ”سیرت کہانی“ کی قسط نمبر ۶۸ بہت ایمان افروز رہی۔ ”بلاعنوان“ کی کہانی بہت سبق آموز رہی۔ ملک احسن ”بریک“ اور اُس کی اقسام لیے نظر آئے۔ بنت مسعود ”شانِ عثمان رضی اللہ عنہ“ سے ایمان بڑھا رہی تھیں۔ ”مل جل کر کام کرنا“ اتفاق و اِتحاد کی تاکید کرتی عمدہ تحریر رہی۔ ”ایلی جان گیا“ وقت کی قدر و قیمت بتاتی تحریر تھی کہ وقت پر کام کرنا کتنا ضروری ہے۔ ”پڑھائی میں اعتدال“ ان بچوں کے لیے راہ نما تحریر ہے جو اِمتحانات کو سر پر سوار کر لیتے ہیں۔ ”دادی گلہری“ مختصر، لیکن بہت سبق آموز تحریر تھی۔ ”آنکھوں دیکھا“ بہت عمدہ تحریر تھی۔ بعض اوقات ہم جس پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کر رہے ہوتے ہیں وہی ہمیں نقصان پہنچا دیتا ہے۔ ”پھر کیا ہوا“ نذیر انبالوی صاحب کی ایک اور اِصلاحی تحریر تھی۔ ”نئے لکھاریوں“ میں سب نے بہت اچھی تحریریں لکھیں۔ ”پیارے بچے“، ”سچی دوستی“ اور ”انوکھا خواب“ بہت دل چسپ رہیں۔ ”خطوط“ کی محفل بھی سجی نظر آئی۔ ”انعامی سلسلے“ ”ذوق و شوق“ کی جان ہیں۔ بچوں کے لیے بہترین تعمیری مواد سے بھرپور مواد شائع کرنے پر پوری ٹیم کو خراجِ تحسین۔

(دانیال حسن چغتائی۔ کہروڑ پکا)

☆ بہت شکریہ!

فروری ۲۰۲۵ء کا شمارہ بہت دل چسپ تھا۔ ”علیک سلیک“ میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے ۹۹ ناموں کے بارے میں بتایا۔ ”سیرت

کہانی'' ایک اچھا سلسلہ ہے۔ ''شانِ عثمان رضی اللہ عنہ'' نظم بہترین تھی۔ ''مل جل کر کام کرنا'' بھی اچھی تحریری تھی۔ ''میرا کشمیر آزاد ہو'' نظم اچھی تھی۔ باقی دوسری سب تحریریں بھی اچھی تھیں۔ میں ''ذوق شوق'' رسالہ دل چسپی سے پڑھتا ہوں۔ آپ سے ایک بات پوچھنی تھی کہ ہم کوئی کہانی بھیجنا چاہیں تو اِن پیج پروگرام میں کمپوز کرکے بھیجیں یا پھر ہاتھ سے لکھی تحریر بھی قابلِ قبول ہے۔

(حافظ امان اللہ۔ کراچی)

☆ جو مزاجِ یار میں آئے۔

فروری ۲۰۲۵ء کا ''ذوق شوق'' پڑھا۔ بہت اچھا لگا۔ آپ کی محنت قابلِ دید ہے۔ اول تا صفحہ آخر آپ کی عرق ریزی ظاہر ہے۔ پرچے کے لیے مواد جمع کرنا، اسے منتخب کرکے زینب بخشنا اور جاذبِ نظر طباعت سے آراستہ کرنا، یہ واقعی دِقت طلب امر ہے۔ اللہ کریم آپ کا یہ ''ذوق شوق'' سلامت رکھے۔

(ڈاکٹر ابو حمیس۔ حیدرآباد)

☆ آمین!

بلاعنوان (۲۱۰) شمارہ فروری ۲۰۲۵ء کے بہترین عنوان ارسال کرنے والے تین قارئین

اول: ''بیس روپے''	انعمہ نور۔ راول پنڈی
دوم: ''بُری عادت''	سید گوہر علی۔ کراچی
سوم: ''سجاد دوست''	حافظ محمد طلحہ۔ لاڑکانہ

''بُری عادت'' والا عنوان تین قارئین نے بھیجا تھا۔ بقیہ دو قارئین کے نام یہ ہیں: ۱۔ خنساء محمد جاوید (حیدرآباد) اور ۲۔ عائشہ بنت محمد حسین (کراچی)۔

اچھے عنوانات ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: حفصہ بابر، محمد آبدانی، یوسف بن جعفر، اروٰی بنت محمد فیصل، عائشہ نور، لیسیرہ آصف، حاشر منیب، عدیسہ بنت محمد زاہد، مدیحہ بنت محمد انیس، افشین بنت انور، محمد حمزہ اویس، حافظ امان اللہ، عمر بیگ، احمد بن جعفر، سکینہ ہاشمی، اروا خرم، ام ہانی، آمنہ ذیشان، اہلیہ محمد یامین، سیف اللہ، محمد ابراہیم، فاطمہ بنت محمد دانیال، عبداللہ کھتری۔ **حاصل پور:** حافظ محمد اشرف۔ **لاہور:** غانیہ فاطمہ۔ **کہروڑ پکا:** حافظ محمد عمر طیب، دانیال حسن۔

ذوق معلومات (۱۰۸) شمارہ فروری ۲۰۲۵ء کے تین انعام یافتہ قارئین

کراچی: ☆ام ہانی۔ ☆صالحہ منور۔ **سرگودھا:** عمارہ عمر فاروق۔

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: سیدہ زنیرہ احمد، سیدہ حافظہ فضاء، لیسیرہ آصف، حافظ حسان احمد، حفصہ بنت اقبال، سیف اللہ، احمد بن جعفر، عبداللہ کھتری، سیدہ حافظہ عمارہ، حافظ امان اللہ، خدیجہ طارق، سکینہ ہاشمی، ابیہہ وقاص، اہلیہ محمد یامین، محمد آبدانی، مدیحہ بنت محمد انیس، یوسف بن جعفر، حفصہ بابر، اروٰی بنت محمد فیصل، افشین بنت انور، عدیسہ بنت محمد زاہد۔ **حاصل پور:** حافظ محمد اشرف۔ **کہروڑ پکا:** محمد عمیر طیب، دانیال حسن۔ **ملتان:** میرب فاطمہ، امامہ ملک۔ **راول پنڈی:** عبدالہادی امین، شفق نور۔

تعلیمی کھیل (۱۵) شمارہ فروری ۲۰۲۵ء کے تین انعام یافتہ قارئین

کراچی: ☆نمرہ ذیشان۔ ☆فارحہ فرحان۔ **سرگودھا:** ☆ماریہ بتول۔

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: عبداللہ کھتری، مدیحہ بن محمد انیس، حبیبہ نور، شہیر منیب، حافظ امان اللہ، حفصہ بابر، نوید آفندی، حافظہ انزا، لیسیرہ آصف، سکینہ ہاشمی، حفصہ بابر، سیدہ حافظہ عمارہ، عینا بنت علی احمد، اقصیٰ، خدیجہ طارق، احمد بن جعفر، یوسف بن جعفر، محمد آبدانی، عدیسہ بنت محمد زاہد، اروٰی بنت محمد فیصل، اروا خرم، سیدہ زنیرہ احمد، افشین بنت انور، ام ہانی۔ **حیدرآباد:** خنساء محمد جاوید۔ **حاصل پور:** حافظ محمد اشرف۔ **کہروڑ پکا:** محمد عمیر طیب، دانیال حسن۔ **سرگودھا:** ذروۃ عامر۔ **ملتان:** میرب فاطمہ، امامہ ملک۔ **راول پنڈی:** ملک شاہ زیب۔ **اسلام آباد:** زہرا عبدالحق۔

سوال آدھا جواب آدھا (۶۴) شمارہ فروری ۲۰۲۵ء کے تین انعام یافتہ قارئین

کراچی: ☆محمد آبدانی۔ ☆یوسف بن جعفر۔ **ملتان:** میرب فاطمہ۔

درست جوابات ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: محمد ابراہیم، افشین بنت انور، مدیحہ بن محمد انیس، ام ہانی، ام ورقہ، سیف اللہ، اروٰی بنت محمد فیصل، خدیجہ طارق، حافظ امان اللہ، عدیسہ بنت محمد زاہد، عبداللہ کھتری، احمد بن جعفر۔ **حاصل پور:** حافظ محمد اشرف۔ **کہروڑ پکا:** محمد عمیر طیب، دانیال حسن۔ **راول پنڈی:** محمد جواد عثمان، عبدالہادی امین، ملک شاہ زیب احمد۔

کوپن برائے بلاعنوان ۲۱۲

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

کوپن برائے ذوقِ معلومات ۱۱۰

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

کوپن برائے سوال آدھا جواب آدھا ۶۶

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

کوپن برائے تعلیمی کھیل ۱۷

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

ہدایات: ☆ جوابات ۳۰، اپریل ۲۰۲۵ء تک ہمیں موصول ہوجانے چاہییں...... ☆ ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

☆ کوپن کو قلم سے پُر کر کے اور جواب صاف کاغذ پر لکھ کر واضح تصویر کھینچ کر اِس نمبر (0300-2229899) پر واٹس ایپ بھی کر سکتے ہیں۔

اب ہوا آسان……

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ماہ نامہ ذوق وشوق کی سالانہ ممبرشپ مع رجسٹری ڈاک خرچ =/2500 روپے ہے۔ اگر آپ اکٹھی رقم جمع کروانے سے قاصر ہیں تو ہم لائے ہیں آپ کے لیے ایک بڑھیا پیش کش۔ اب رسالہ حاصل کرنا ہوا آسان……

اگر آپ کی جیب اجازت نہیں دے رہی ہو تو اب آپ چھے ماہ کی ممبرشپ بھی حاصل کر سکتے ہیں، جو کہ =/1250 روپے ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اور پیش کش بھی……

آپ چھے ماہ کی ممبرشپ بھی حاصل نہیں کر سکتے تو صرف ہر ماہ کا شمارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ فی شمارہ =/180 روپے کا اور =/40 روپے ڈاک خرچ کے۔ مجموعی رقم =/220 روپے جمع کروادیں۔ یہ طریقہ زیادہ آسان ہے۔

(کسی بھی قسم کے اضافی چارجز شامل نہیں ہیں۔)

طریقہ کار: ادارے کے نمبر (0300-2229899) پر یا نگران ترسیل صاحب کے نمبر (0309-2228120) پر جس نام سے رسالہ جاری کروانا ہے وہ بتادیں، مکمل ڈاک پتا اور رابطہ نمبر عنایت کردیجیے، ہم آپ کو رسالہ بھیج دیں گے، ان شاء اللہ!

رسالہ لگوانے کے لیے آپ رقم تین ذرائع سے جمع کرواسکتے ہیں:

❶ **دستی:** دفتر میں آکر رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا پتا ہے: ماہ نامہ ذوق وشوق، کراچی۔ ماتحت مدرسہ بیت العلم، ST-9E، نزد الحمد مسجد، گلشن اقبال، بلاک ۸، کراچی۔ (نوٹ: دستی رقم جمع کرواتے وقت سالانہ ممبرشپ فارم ضرور حاصل کریں۔)

❷ **بینک اکاؤنٹ کے ذریعے:** بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا بینک اکاؤنٹ ہے: میزان بینک

اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456 اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm Charitable Trust Zouq o Shouq

(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید آپ ہمیں اس نمبر (0300-2229899) پر واٹس ایپ کردیں۔)

❸ **جازکیش نمبر:** 0319-1181693

(نوٹ: جازکیش میں رقم جمع کروانے کی رسید آپ ہمیں اس نمبر (0300-2229899) پر واٹس ایپ کردیں۔)

Registered NO. M. C. 1241 ذوق شوق